وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مجالسِ معرفت

(جلد چہارم)

(بیس مجالس کے بیانات کا مجموعہ)

تالیف

ڈاکٹر سیّد محمود قادری

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا قاری محمد یامین قاسمی صاحب حیدرآبادی مدظلہ

وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۝ (البقرہ:۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مجالسِ معرفت (جلد چہارم)

(بیس مجالس کے بیانات کا مجموعہ)

TWENTY DISCOURSES ABOUT PURIFICATION OF THE SOUL (Vol-IV)

تالیف

ڈاکٹر سیّد محمود قادری

☆ خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

باسمہٖ تعالیٰ

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نامِ کتاب	:	مجالسِ معرفت (جلد چہارم)
نام مؤلف	:	ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۹ء مطابق ۱۴۴۰ھ
طباعت	:	
کمپوزنگ	:	محمد انس شیخ
		8147837988
باراوّل	:	1000 عدد
ناشر اور ملنے کا پتہ	:	خانقاہِ قادریہ، گوڈیہال کالونی،
		جامع مسجد روڈ، وجئے پور۔ کرناٹک۔
		فون نمبر: 7019429104

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجالسِ معرفت

(جلد چہارم)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے چند باکمال مریدین جو دوسرے مشائخ کے مجاز بنے۔

۱) الحاج محی الدین منیری بھٹکل

خلیفہ حضرت شاہ محمد موسی مہاجر مدنی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

۲) موسیٰ مولانا معین اللہ ندوی اندوری

خلیفہ حضرت صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری

۳) مولانا واضح رشید ندوی

خلیفہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی

۴) مولانا سید حمزہ حسنی ندوی خلیفہ حضرت صوفی محمد انعام لکھنوی و

خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری

۵) حضرت مولانا سلمان حسنی ندوی

خلیفہ شاہ نفیس الحسینیؒ و حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب

۶) حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی

خلیفہ شاہ نفیس الحسینیؒ و حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب

۷) ڈاکٹر سید محمود قادری بیجاپوری

خلیفہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی

رقم کردہ

محمود حسن حسنی ندوی۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ۔ بمقام: مکان ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب بیجاپور۔

باسمہٖ تعالیٰ

عرضِ حال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

خانقاہِ قادریہ بیجاپور میں گذشتہ بارہ پندرہ (15-12) سالوں سے ہر سنیچر بعد نمازِ عشاء جو مجالس ہوتی ہیں ان کے بیانات کی ایک جلد ''مجالسِ معرفت (جلد اول)'' کے نام سے آپ کے سامنے مارچ ۲۰۱۸ء میں پیش کی جا چکی ہے۔ ''مجالسِ معرفت'' کی دوسری اور تیسری جلد بفضلہٖ تعالیٰ ۲۰۱۹ء ہی میں آپ تک پہنچ گئی ہیں۔ الحمد للہ کہ امسال ۲۰۲۰ء میں مجالسِ معرفت کی چوتھی جلد بھی امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ناچیز نے اس کتاب کے مسودہ کی تصحیح اور تبصرہ کی زحمت حضرت مولانا محمد کبیر الدین اکبر قاسمی صاحب مدظلہ (صدرِ مدرس دار القرآن، انڈی) کو دی تھی، موصوف نے ایک شاندار تبصرہ لکھ کر ان مجالس کی اہمیت کو دوبالا کیا ہے۔ جزاهم الله خيرا۔

اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اس ناچیز نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی ﷺ کا خود ترجمہ کرنے کے بجائے مستند تراجم سے نقل کر دیا ہے۔

لفظی ترجمہ کے بجائے مطلب خیز ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔ قرآنی آیات کا ترجمہ اکثر سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کی تفسیر ''کشف الرحمٰن'' اور حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے اور احادیثِ نبوی کا ترجمہ اور تشریح شرح مشکوٰۃ ''مظاہرِ حق'' اور ''توضیحات'' سے لیا گیا ہے۔ قارئین کے ذہن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بیانات کو تحریری شکل دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان بیانات کو ناچیز کے لئے اجرِ آخرت کا ذریعہ اور قارئین کے لئے معرفتِ دین کا ذریعہ بنائے۔ نیز باری تعالیٰ سے یہ بھی دعا ہے کہ دیگر بیانات کو بھی کتابی شکل میں پیش کرنے کی سہولتیں فراہم کرے۔ آمین ثم آمین۔

اعتذار:

کوئی بھی انسانی کام نقص سے خالی نہیں ہوتا۔ باوجود تصحیح کے ناچیز کی تالیفات میں پرنٹنگ کی غلطیاں پائی جاتی ہیں جس کے لئے تأسّف ہے اور معذرت خواہ ہوں۔ دونوں آنکھوں کے آپریشن کے باوجود بینائی کی کمزوری باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔ قارئین سے دعا کی اور درگذر کی گزارش ہے۔

الفقیر الی اللہ

ڈاکٹر سید محمود قادری

باسمہٖ تعالیٰ

تبصرہ

حامدا ومصلیا وسلما

زیرِ نظر کتاب مجالسِ معرفت جلد چہارم جناب محترم الحاج الحافظ الشاہ ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب قبلہ زید فضلہٗ (مجازِ بیعت، خلیفہ الشاہ محبوب العلماء ومرجع الصلحاء حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی حفظہ اللہ صحتہٗ) کی ان تقاریر کا چوتھا مجموعہ ہے جو تقاریر آپ خانقاہِ قادریہ بیجاپور میں بعد عشاء فرماتے ہیں۔ اس سے پہلے ان بیانات کی تین جلدیں منظرِ عام پہ آکر شرفِ قبولیت پا چکی ہیں جن کا آغاز ملک کے مقتدر علماء کے بدست ہو چکا ہے اب یہ جلد چہارم ناظرینِ کرام کی خدمت میں پیشی کے لئے آراستہ ومزین ہے۔

مجالسِ معرفت کے مآخذ=

ڈاکٹر صاحب کی تقاریر ومقالات کی بڑی خوبی ہے کہ آپ ہر مضمون کو قرآن وحدیث سے ثابت فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ آیتِ قرآنی پیش کرتے ہیں اس کا صریح ترجمہ اور تشریح کرتے ہیں جس سے مضمون مدلل اور پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ پھر آپ اس مضمون کو مزید واضح اور محقق کرنے کے لئے اس سے متعلق حدیث شریف پیش فرما کر سامعین وقارئین کے ذہن کو قرآن وحدیث

سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔

دراصل حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ کے پیشِ نظر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے (۱) کتاب اللہ، (۲) اس کے رسول ﷺ کی سنت۔

بنابریں آپ کے تمام مضامین وخطبات سب کے سب قرآن وحدیث سے ہی استدلال سے پُر ہیں۔

مضامین کی انفرادیت=

محترم ڈاکٹر صاحب کی بے باکی اور اظہارِ حق کی صفت قابلِ صد ستائش ہے کہ آپ دین وشریعت کی محقق اور صحیح بات کو ظاہر کرنے میں کسی کی بھی پروانہیں کرتے۔ آپ کو اس کی طرف گویا التفات ہی نہیں ہوتا کہ غیر شرعی بات کو دین کو لبادہ پہنا کر پیش کرنے والا شخص یا جماعت پر اس کا کیا اثر ہوگا، اور کتنی مخالفت ہوگی۔ حالانکہ اس زمانہ میں ایسے لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں جو حق بات کو ڈنکے کی چوٹ پہ کہہ سکیں۔ کیونکہ یہ دور مصلحت کوشی بلکہ مداہنت کا دور ہے حالانکہ قرآن اور حدیث شریف میں جہاں بھی امر بالمعروف کا ذکر ہے وہاں نہی عن المنکر کا بھی تذکرہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ جس طرح دواؤں کے ذریعہ علاج کرنا جانتے ہیں اسی طرح وقتِ ضرورت عملِ جراحی (Operation) کو بھی ناگزیر سمجھتے ہیں اور یہ آپ کی طبیعت کا تقاضہ نہیں بلکہ اس حدیثِ پاک پر عمل کا ثمرہ ہے جس میں آقا علیہ وسلم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی منکر (ناجائز کام) کو دیکھے اس کو چاہیئے کہ اس منکر کو اپنے ہاتھ سے یعنی بہ زورِ بازو روک دے اگر یہ نہ کرسکتا ہو تو پھر زبان سے اس کی شناعت بیان کرے اور روک دے، اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت نہ ہو تو پھر دل سے ہی برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔

مجالسِ معرفت کی خصوصیات =

یہ خطبات جہاں عام مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں وہیں اہلِ علم اساتذہ وطلبہ کے لئے بھی علمی تحفہ اور قیمتی سوغات ہیں۔ علم عقائد کا ایک تحقیقی مجموعہ بھی ہیں۔ اور واعظین اور مقررین کے لئے مستند علمی ذخیرہ ہیں کہ ان حضرات کو ان میں تقریروں کے عنوانات اور ان سے متعلق قرآن وحدیث کی آیات بھی آسانی سے مل سکتی ہیں۔ مشائخ ومرشدین حضرات کے لئے ان خطبات میں تصوف وسلوک کی معتدبہ باتیں دستیاب ہیں جن کے ذریعہ وہ خود اس راہ میں حصولِ کمال کا طریقہ پاسکتے ہیں اور اپنے مریدین کی اصلاح وتربیتِ باطنی کرسکتے ہیں۔

قوتِ نسبت:

اس ناکارہ نے جب حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ کی مصروفیات اور پیرانہ سالی پر غور کیا تو دیکھا کہ آپ ہر تین دن میں ختمِ قرآن، تمام اوراد و وظائف نیز شہر کی مساجد میں درسِ قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ آپ سے تحریری وتقریری اتنے سارے کام کس طرح لے رہا ہے تو یہ بات پختہ طور پہ ذہن میں آئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کے اوقات میں بھی برکت ڈال دیتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ کام ہوجاتا ہے یہ سب آپ کی محنتِ شاقہ، قرآن وحدیث سے شغف اور اعمالِ صالحہ کی برکات تو ہیں ہی اس سے بڑھ کر یہ بات بھی مشاہدہ وتجربہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشاعتِ دین اور تبلیغِ اسلام کا کام ویسے تو ہر رنگ ونسل کے خاص بندوں سے لیا ہے لیکن ظاہری وباطنی خدمات، شریعت وطریقت کی تقویت واشاعت کا اہم کام ان شخصیات سے زیادہ اور مضبوط طریقہ سے لیا ہے جن شخصیات کو سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے روحانی وایمانی تعلق سے ساتھ ساتھ نسبی وخاندانی تعلق بھی ہے اور چونکہ ہمارے ڈاکٹر صاحب کا خانوادہ سادات کا خانوادہ ہے لہٰذا ان برکات کا ظہور باعثِ تعجب نہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کے نفع کو عام اور نام فرمائے۔ آمین۔

بندہ محمد کبیر الدین القاسمی مدرس دارالقرآن انڈی

فہرست مضامین

باسمہٖ تعالیٰ

(۱) بندوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِہٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّھُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَہٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَھَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْرًا وَعُلِّمْتُمْ مَّالَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآؤُکُمْ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ o (الانعام۔۹۱)

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اور (منکروں نے) اللہ کی وہ قدر نہ پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا جب کہ انہوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں نازل کی۔ آپ ان سے پوچھیئے وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰؑ لائے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی۔ جس کا حال یہ ہے کہ تم نے اس کو مختلف اوراق میں لکھ رکھا ہے تم ان اوراق میں سے کچھ کو تو ظاہر کرتے ہو اور بہت سے اوراق کو چھپائے ہوئے ہو اور اسی کتاب کے ذریعہ سے تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرمایئے اس کتاب کو اللہ نے نازل کیا تھا بس آپ ان کو

چھوڑ دیئے کہ یہ اپنی بیہودہ خرافات میں مشغول رہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (انہوں نے اللہ کی وہ قدر نہ پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا)، یہ آیت قرآن میں تین مقامات پر آئی ہے: سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۱، جو تلاوت کی گئی ہے، سورۂ حج کی آیت نمبر ۷۴، اور سورۂ زمر کی آیت نمبر ۶۷۔ ان شاء اللہ ان آیات کی تشریح آپ کے سامنے آئے گی اس سے پہلے یہ بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان کے حواس محدود ہیں اور اس کی عقل بھی محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات انسان کے عقل و حواس سے وراء الوراء ہیں۔ اللہ کی صفات لامحدود ہیں انسان کی محدود عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ بس جتنا نصوص (قرآن و احادیث) میں ذکر کیا گیا ہے اس پر ایمان لانا اور اس کی کنہ میں نہ پڑنا اسی میں ایمان کی خیریت اور بقاء ہے۔ شیخ سعدیؒ نے گلستاں کے دیباچہ میں کیا خوب فرمایا ؎

عاکفانِ کعبۂ جلالش بہ تقصیرِ عبادت معترفند کہ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

و واصفانِ حلیۂ جمالش بتحیر منسوب کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

(جلالِ کعبہ کے معتکفین اپنی عبادت کی کوتاہی کا اعتراف کرکے کہتے ہیں کہ ہم نے تیری عبادت کما حقہٗ نہیں کی اور اس کے حسن و جمال کی تعریف کرنے والے حیرانی میں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تجھے ایسا نہیں پہچانا جیسا پہچاننا چاہیئے تھا)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر

ما ہمچناں در اول وصف تو ماندایم

(اے وہ ذات جو خیال، قیاس و گمان اور وہم سے بالاتر ہے اور اس سے بھی جو لوگوں نے کہا ہے اور ہم نے سنا اور پڑھا ہے۔ دفتر ختم ہو گیا اور عمر آخر ہوئی اور ہم اسی طرح تیری ابتدائی تعریف میں لگے ہوئے ہیں)

ایمان اور یقین رکھنے والے لوگ عارفانِ الٰہی اور عاشقانِ الٰہی اپنی کوتاہی کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں تو جو لوگ انکار کرنے والے ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کیا قدر کر سکتے ہیں؟ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہی شکایت کی ہے کہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہونے کے باوجود بھی منکرین اللہ کی قدرت کا اور اس کی رحمت کا اتنی ڈھٹائی سے انکار کرتے ہیں!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت سے انسان کو صحیح راستہ دکھانے کا ابتدائے آفرینش سے ہی انتظام کیا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے فرمایا گیا:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o (البقرہ۔۳۹،۳۸)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ تم سب نیچے اترو اس جنت سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے تو وہی لوگ اہلِ جہنم ہوں گے اور اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں ہی میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرامؑ کو مبعوث کیا، جن میں آدمؑ سب سے پہلے انسان اور نبی ہیں اور ہمارے نبی محمد ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ ان انبیاءؑ پر اللہ تعالیٰ نے ایک سو صحیفے اور چار کتابیں (تورات، انجیل، زبور اور قرآن) نازل فرمائیں۔ عرب کے مشرکین کا نبی ﷺ کی نبوت اور آپ کی کتاب کا انکار کرنا زیادہ تعجب خیز نہیں ہے مگر تعجب تو علمائے یہود پر ہوتا ہے جنہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے نبی ﷺ کا اور قرآن کا انکار کیا اور یہ کہنے لگے کہ اللہ نے کسی رسول پر کتاب ہی نازل نہیں کی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ یہود نے یہ کہا کہ واللہ! آسمان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی۔ گویا کہ ان معاندین نے جوشِ عداوت میں انزالِ کتب اور ارسالِ رسل کا انکار ہی کر دیا۔ درپردہ یہ اللہ کی صفتِ علم اور صفتِ کلام کا انکار ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور یہود پر الزام قائم کیا کہ بتاؤ موسیٰؑ پر کس نے کتاب نازل فرمائی آخر وہ بھی تو بشر ہی تھے؟ ان کی مذمت میں فرمایا گیا کہ انہوں نے ہماری نعمتوں کی قدر نہ کی کہ ہم نے ان کی ہدایت

کے لئے قرآن جیسی مبارک کتاب نازل کی اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کرنا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ذریعہ اس کی کتاب ہی ہے۔ مشرکینِ عرب تو سرے سے نبوت اور رسالت کے منکر تھے، یہود اگرچہ نبوت اور رسالت کے قائل تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور عناد کی بنا پر انکار کر دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ جو شخص انبیائے کرامؑ پر نزولِ کتاب کا قائل نہیں ہے وہ اللہ کا قدر شناس نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کی صحیح معرفت تو اس کی کتاب ہی سے ہو سکتی ہے۔ جو شخص نزولِ وحی کا منکر ہے وہ اللہ کو متکلم نہیں مانتا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو ناقص قرار دے رہا ہے۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناقدری کیا ہو سکتی ہے؟ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھیئے وہ کتاب جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے اس کو کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور روشنی تھی۔ اس کتاب کو تم نے اپنی نفسانی اغراض کی بنا پر دو قسم کے اوراق پر تقسیم کر رکھا ہے۔ اس کی جو باتیں تمہاری خواہش کے مطابق ہوتی ہیں ان کو ظاہر کرتے ہو اور جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں ہوتیں ان کو چھپاتے ہو۔ یہود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ کی صفات جو توراۃ میں مذکور تھیں اس کو چھپاتے تھے۔ زنا کا ایک معاملہ آیا تو رجم کی آیت بھی چھپائی۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے باپ داداؤں کو توراۃ کے ذریعہ سے ان باتوں کی تعلیم دی جو تم اور تمہارے باپ دادا نہیں جانتے تھے۔ یہ لوگ تو اقرار نہیں

کرتے اس لئے آپ خود فرمادیجئے کہ یہ کتاب اللہ ہی نے اتاری ہے یعنی اس سوال کا ایک ہی جواب ہے، جو ایسا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ان کو اپنی بک بک اور کج بحثی میں کھلنے کے لئے چھوڑ دیجئے۔ یہ قرآن ایک عجیب کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے اس پر عمل کرنا موجبِ فلاحِ دارین ہے۔ اس کتاب کی برکت سے عرب کی کایا پلٹ ہوگئی اور یہ کتاب اس سے پہلے نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ سے آپ اہلِ مکہ کو اور تمام روئے زمین کے لوگوں کو جو مکہ کے گرداگرد ہیں دنیا میں آباد ہیں سب کو ڈرائیں۔ جو اللہ کی کتاب کو نہیں مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ ام القریٰ مکہ کا نام ہے جس کے معنی بستیوں کی ماں کے ہیں۔ اس لئے کہ مکہ زمین کے وسط میں ہے۔ سارا جہاں اسی کے گرد آباد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ کے آس پاس کی بستیوں سے سارا جہاں مراد ہے۔ کیونکہ مکہ تمام زمین کی ناف کی طرح ہے اسی سے زمین چاروں طرف پھیلائی گئی۔ اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی جنہیں جزا اور سزا کا ڈر ہے وہی اس مبارک کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور وہی لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ نبی ﷺ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اس پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو آخرت پر یقین کرنے والے ہیں۔ یہ کتاب آخرت کی کامیابی کا طریقہ بتانے والی ہے۔ اللہ کی صفتِ عدالت، حاکمیت، رحمت، حکمت سب کا اظہار عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے بلکہ دنیاوی زندگی

سے غایت انسانوں کی آزمائش ہے۔ تمام آسمانی کتابیں انسانوں کو مقصدِ زندگی سے واقف کراتی ہیں۔ جو لوگ ان کتابوں کا انکار کرنے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدالت، حاکمیت، رحمت، حکمت سب کا انکار کرنے والے ہیں۔

۲) اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ ٥ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ٥ (الحج۔۷۴،۷۳)

ترجمہ: اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم لوگ جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ سب کے سب مکھی پیدا کرنے کے لئے جمع بھی ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس مکھی سے اس کو چھڑا بھی نہیں سکتے طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔ ان مشرکوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جو اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔

مشرکین اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صمدیت کا انکار کر کے ناقدری کے مرتکب ہو گئے اس لئے فرمایا گیا: اے انسانو! ایک عجیب بات اور توحید کے مقابلہ میں شرک کی برائی کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے تم اس کو کان لگا کر توجہ سے سنو۔ بلاشبہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی عبادت اور پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا کرنے کے قابل نہیں ہیں اور وہ سب مل کر ایک مکھی بھی ہرگز پیدا نہیں کر سکتے اور

اگر مکھی ان سے کچھ چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس مکھی سے اس چیز کو چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب یعنی عابد بھی ضعیف و ناتواں اور مطلوب یعنی معبود بھی کمزور و بے بس یعنی مکھی ایک بہت ہی ذلیل و حقیر جانور ہے یہ تمام معبودانِ باطلہ مل کر بھی اس کی تخلیق نہیں کر سکتے اور ان کی کمزوری کا یہ عالم ہے اگر مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کچھ لے کے اڑ جائے تو یہ اس کو مکھی سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کفارِ مکہ ان بتوں کے سر پر زعفران ملتے تھے اور شہد ملتے تھے یا یہ کہ بت پرست کچھ کھانے پینے کی چیزوں کو بتوں کے سامنے رکھ دیا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مشرک اس قدر بے وقوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو قادر و توانا ہے اس کو چھوڑ کر کمزور اور عاجز کی پوجا کرتے ہیں۔ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر اور تعظیم نہ کی جو کرنے کا حق تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور سب پر غالب ہے۔ یعنی جیسی اس کی عزت و عظمت کا حق تھا ان مشرکوں نے پورا نہیں کیا۔ کہاں وہ صاحبِ قوت اور کہاں یہ کمزور و ضعیف، کہاں وہ سب پر غالب اور کہاں یہ عاجز و بے بس۔ اس زبردست کو چھوڑ کر عاجزوں اور بے بسوں کی پوجا کرتے ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

۳) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌ بِيَمِيۡنِهٖ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ○ (الزمر۔۶۷)

ترجمہ: اور ان منکروں نے اللہ کی وہ قدر نہیں پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا

حالانکہ یہ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان کاغذ کی طرح اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس کے مصداق تمام کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی قدر کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر وہ اس کی قدر و منزلت کو پہچان لیتے تو ضرور ایمان لے آتے یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال کو اس حد تک نہ سمجھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی شانِ رفیع کا سمجھنے والا ایک عاجز مخلوق حتیٰ کہ پتھروں کو اس کا شریک بنائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ان منکروں نے اللہ کی وہ قدر نہیں پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا حالانکہ تمام زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان کاغذ کی طرح اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے۔ بعض لوگوں نے قدر کو عظمت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اللہ کی عظمت و جلال کے موافق اس کی تعظیم نہیں کی۔ داہنے ہاتھ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ہاتھ داہنا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ کے ہاتھ وغیرہ سب متشابہات میں سے ہیں جن کا معنیٰ تو معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کے ہاتھ کیسے ہیں۔ حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ زمین کو مٹھی

میں اور آسمان کو ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ میں قدوس ہوں یعنی میں پاک ہوں، میں سلام ہوں یعنی سلامتی دینے والا ہوں، میں مومن ہوں یعنی امن دینے والا ہوں، میں مھیمن ہوں یعنی نگہبان ہوں، میں عزیز ہوں یعنی سب پر غالب ہوں، میں جبار ہوں یعنی زبردست ہوں، میں متکبر ہوں یعنی سب سے بزرگ ہوں، میں نے ہی دنیا کو پیدا کیا جب وہ کچھ نہ تھی اور میں ہی اس کا اعادہ کروں گا۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ دونوں سے روایت ہے کہ یہود کے ایک عالم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ ہم کتاب میں یہ بات پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھائے گا، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر، اس طرح تمام کائنات کو اپنے دستِ قدرت میں لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ اور مالکِ کائنات ہوں، ایک دوسری روایت میں تمام کائنات کو پانچ انگلیوں پر لئے ہوئے حرکت کرے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کیفیت کو اپنے دستِ مبارک سے ظاہر فرمایا، جب یہود کے عالم نے یہ بات کہی تو آپ ہنسے کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔۔۔۔ (تفسیر ابنِ کثیر)

اللہ تعالیٰ ہمیں کما حقہ اس کی قدر کرنے اور اس سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۲) ہر فریق اپنے طریقہ پر مست اور مگن ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ وَاِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ٥ فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ٥ (المومنون ۔۵۳،۵۲)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اور یقیناً یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اپنا دین آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا اب ہر فرقہ کے لوگوں کے پاس جو دین ہے وہ اسی پر خوش اور مگن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی دین اپنے انبیائے کرامؑ کے ذریعہ بھیجا وہ اسلام ہی تھا۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا نام ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ٥ (آل عمران ۔۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہی ہے۔ اہلِ کتاب نے جو اس سے اختلاف کیا تو ایسی حالت میں اختلاف کیا جب کہ ان کو اسلام کا حق ہونا

معلوم ہو چکا تھا اور یہ اختلاف بھی آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی سے کیا۔ جو شخص بھی اللہ کی آیات سے انکار کرے گا تو اللہ بہت جلد اس سے حساب لینے والا ہے۔

کل عالمِ آخرت میں دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور طریقہ پر عمل کر کے کوئی لے کر آئے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ کل ناکام اور خاسرین میں سے ہوگا۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ○

(آل عمران ۔۸۵)

ترجمہ: جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا (یعنی اس پر عمل کرے گا) تو اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

بیان کے ابتداء میں جو آیات تلاوت کی گئی ہیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ تم سب کو جس طریقہ پر چلنا ہے وہ ایک ہی طریقہ ہے۔ لفظ امت، ایک جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف و مشہور ہے اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن کی ایک آیت میں وَجَدۡنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰی اُمَّۃٍ (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا) آیا ہے۔ امت سے مراد دین اور طریقہ ہے۔ مذکور آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔ سب انبیاءؑ کا دین ایک ہی ہے۔ میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو اور میرے احکام کی

مخالفت نہ کرو کیونکہ رب ہونے کی حیثیت سے میں تمہارا خالق اور مالک بھی ہوں اور منعم ہونے کی حیثیت سے تم کو بے شمار نعمتیں دیتا رہتا ہوں، ان سب چیزوں کا تقاضہ اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ سب ایک طریقہ پر رہتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ ان لوگوں نے اپنا اپنا طریق الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا۔ ہر گروہ کے پاس جو اپنا نکالا ہوا طریقہ ہے وہ اسی میں مگن اور خوش ہے۔ اس کے باطل ہونے کے باوجود بھی اسی کو حق سمجھتا ہے۔

فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا، زُبُرُ، زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاءؑ اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے کر کے مختلف ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زُبُرُ، کبھی زُبرہ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور فرقہ کے ہیں، یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلافات ائمۂ مجتہدین کے اس میں داخل نہیں ہیں۔ (معارف القرآن۔ جلد ششم)

اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ روم میں بھی آتی ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ O

(الروم۔۳۲)

ترجمہ: ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہر فرقہ (اس طریقہ پر) جو اس کے پاس ہے خوش ہے۔

جن لوگوں نے دینِ فطرت اور دینِ حق میں تفریق پیدا کی اور مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے۔ شیعۃ کی جمع شیعاً ہے۔ ایسی جماعت جو کسی مقتداء کی پیرو ہو اس کو شیعہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دینِ فطرت تو توحید تھا جس کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر کے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید کو چھوڑا اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو گئے اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنا لیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات و معتقدات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات و خیالات پر مگن اور خوش ہے اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے حلانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ کی سنت کے مطابق ہمارے ملک میں بھی ضرور انبیائے کرامؑ آئے ہوں گے اور یہاں کے باشندوں کو پیغامِ حق پہنچایا ہو گا۔ اس کے کچھ اشارات ویدوں میں ملتے ہیں، مگر افسوس کہ جتنے مذاہب اور مذہبی فرقے اس ملک میں ہیں دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہیں۔ اس میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کاشی کو جانے والے

ہیں، وہ لوگ بھی جو متھورا کو جانے والے ہیں، وہ لوگ بھی ہیں جو چھڑی شریف کی زیارت کو جانے والے ہیں۔اب تو سفر کی سہولتیں زیادہ ہوگئی ہیں لوگ اجتماعی طور پر اپنے تیرتھوں پر جانے لگے ہیں۔جس اطمینان اوراہتمام کے ساتھ یہ لوگ اپنا دین جگاتے ہوئے ''ہدو ہدو ہدو کہتے ہوئے'' جاتے ہیں، قابلِ نظر منظر ہوتا ہے۔ ہمارے بھی کچھ لوگ ہیں جو بزرگانِ دین کے مزارات اجمیر شریف، کلیر شریف، گلبرگہ شریف اور ناگور شریف وغیرہ کو بڑے عقیدت اوراہتمام کے ساتھ جاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے بڑے پیمانے پر گیارہویں شریف منائی جاتی ہے اور وہ لوگ اس کو عید کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اکثر لوگ اپنے آپ کو کسی بزرگ کے ساتھ منسلک کر کے ان کے لئے سالانہ فاتحہ و نیاز کرنا فرض و واجب سمجھتے ہیں۔ایک صاحب کا جو گلبرگہ کے متوطن ہیں، واقعہ یاد آگیا، جو کئی سال حرمین میں ملازم تھے۔رات دن خانۂ کعبہ اور مزارِ نبوی ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے وہ فرمانے لگے کہ خواجہ کے دربار میں جو رونق ہے وہ مکہ اور مدینہ میں کہاں ؟!!! ہندوستان کے اکثر مذاہب مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے ہیں۔ ہمارے حضرت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہندوستان شرک کی کان ہے جو اس میں پڑ گیا وہ شرک سے داغدار ہوگیا۔آج کل کے مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو بہت کم لوگوں کے عقیدے شرک سے پاک ملیں گے۔اس کے علاوہ بھی لوگ اپنے اپنے گروہ اور جماعتیں بنا کر مختلف انداز سے کام کر رہے ہیں

جو حقیقی اسلام سے میل نہیں کھاتا۔

یہ تمام مذہبی فرقے اپنے مخصوص عقائد اور اعمال کے ساتھ ایسے نازاں اور فرحاں ہیں کہ اس کے سوا کسی اور چیز کو حق تصور کرنے بھی تیار نہیں ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

امت کا المیہ:

اوپر تو گمراہ مذاہب کا ذکر تھا، جس امت کے پاس دینِ حق تھا اور جو خیرِ امت اور امتِ وسط کے لقب سے موسوم ہے اس کو بھی فرقہ واریت کا گھن لگ گیا اور آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ گئی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَا تِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِىَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَااَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ (ترمذی) فِىْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِىْ دَاوٗدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِى النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ وَهِىَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِىْ اُمَّتِىْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَايَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّادَخَلَهٗ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر وہ دور آئیگا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ بے شک بنی اسرائیل بہتّر (72) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتّر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کونسا فرقہ ہے جو جنتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہوگا۔ مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت جو حضرت معاویہؓ سے نقل کی گئی ہے یوں ہے کہ بہتّر (72) فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ فرقہ ''الجماعۃ'' ہے۔ اور قریب ہے کہ میری امت میں ایسے گروہ ظاہر ہوں گے جن میں نفسانی خواہشات (عقائد واعمال میں بدعتیں) اس طرح سرایت کئے ہوں گے جس طرح ہڑک والے کے اندر ہڑک سرایت کر جاتی ہے کہ اس کے جسم کی کوئی رگ اور جوڑ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں وہ ہڑک گھس نہ گئی ہو۔ (ہڑک سے مراد وہ بیماری ہے جو دیوانہ کتا کاٹنے سے ہوتی ہے جس کو HydroPhobia کہتے ہیں۔ ایسا مریض پانی سے خوف کھاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے)۔

ان بہتر (۷۲) گمراہ فرقوں میں بعض تو شرک والحاد میں تک مبتلا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ جو بھی مسلمانوں کے حالات کا اگر سرسری جائزہ بھی لے گا تو وہ آسانی سے ان فرقوں کو پہچان لے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی

اتنی قطعی اور واضح بات کہ نجات پانے والا فرقہ وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ؓ کے طریقہ پر ہے، نظر انداز کر کے ایسے عقائد اور طریقے ایجاد کئے جو قرآن وسنت سے پوری طرح ٹکرانے والے ہیں۔ علماء نے ان فرقوں کی اس طرح تفصیل بیان کی ہے۔ تہتر فرقوں میں دراصل آٹھ ہی بڑے ہیں۔ ۱) معتزلہ، ۲) شیعہ، ۳) خوارج، ۴) مرجئہ، ۵) نجاریہ، ۶) جبریہ، ۷) مشبہ، ۸) ناجیہ۔ پھر ان فرقوں میں بھی کئی فرقے ہیں۔ معتزلہ کے بیس (۲۰) فرقے، شیعوں کے بائیس (۲۲) فرقے، خوارج کے بیس (۲۰) فرقے، مرجئہ کے پانچ (۵) فرقے، نجاریہ کے تین (۳) فرقے، جبریہ اور مشبہ کا ایک ایک ہی فرقہ ہے۔ اس طرح کل بہتر ہو گئے اور ناجی فرقہ (یعنی اہل سنت والجماعت ہے) کو ملا کر کل تہتر فرقے ہوتے ہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے اعمال کے خود ہی خالق ہیں، قضاء وقدر سے ان کے اعمال کا تعلق نہیں ہے، رویتِ الٰہی کے قائل نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بندہ کو ثواب وعذاب دینا اللہ پر واجب ہے۔

مُرجیہ کہتے ہیں جس طرح کفر کی حالت میں نیک کام آخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچاتا اسی طرح ایمان کی حالت میں گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔ گویا ان کے عقیدہ کے مطابق جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان قبول کر لیا اب وہ خواہ ساری عمر گناہ کرتا رہے دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔

نجاریہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہی انکار کرتے ہیں۔ ان کے مطابق

کلامِ الٰہی بھی مخلوق اور حادث ہے۔ جس طرح دوسری مخلوقات حادث ہیں۔

جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ مجبورِ محض ہے وہ اپنے عمل کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا۔

مشبہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی طرح جسم والا سمجھتے ہیں۔ یعنی ان کا کہنا ہے کہ اللہ کی ذات موجود ہے اور اس کا جسم بھی موجود ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی جسم رکھتا ہے اور کسی بھی جسم میں حلول کر سکتا ہے۔

شیعہ فرقہ حضرت علیؓ کو امام مانتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر نص فرمائی تھی۔ شیعوں کے بعض فرقے چند صحابہؓ کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہؓ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ کو مافوق البشر کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امامتِ کبریٰ ہمیشہ حضرت علیؓ کی نسل میں رہے گی۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو نبی اور رسول کی طرح معصوم عن الخطاء مانتے ہیں۔

خوارج وہ فرقہ ہے جس نے شیعوں کے مقابلہ میں خلافتِ حضرت علیؓ سے بغاوت کی اور خروج کیا۔ یہاں تک کہ اس کے فرقہ کے نزدیک حضرت علیؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ واجب القتل تھے۔

حدیث میں وھی الجماعۃ کا لفظ آیا ہے اس سے جماعتِ ناجیہ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس کا پورا نام اہلِ سنت والجماعت پڑ گیا۔ صحیح عقائد اور اعمالِ صالحہ، نیک کردار اور صحیح راستہ پر چلنے کی وجہ سے اس کا نام اہل السنۃ والجماعۃ قرار دیا گیا۔ اہلِ سنت کا مطلب سنتِ نبوی ﷺ پر چلنے والے اور الجماعت کا

مطلب جماعتِ صحابہؓ کے پیروکار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے لوگ ہیں۔ جو لوگ سنت پر چلنے والے نہیں ہیں اور صحابہؓ کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں خواہ وہ اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھتے ہوں۔ یہاں بھی ہر فرقہ اپنے عقیدہ اور اپنے عمل پر پورے اطمینان اور اہتمام کے ساتھ عمل کرتے ہوئے اسی پر مست و مگن ہے۔ کبھی اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ وہ گمراہی پر ہے، حق کوئی اور دوسری چیز ہے! (توضیحات۔ جلد اول)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح دین کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۳) عقلمند (اولوا الالباب) کون ہیں؟

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (الزمر۔۱۸،۱۷)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے تو ان کے لئے خوش خبری ہے پس اے پیغمبر آپ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو عقل وخرد والے ہیں۔

عقل کے لغوی معنی باندھنے اور روکنے کے ہیں۔ اسی لئے عِقال اس رسی کو کہا جاتا ہے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ عقل کو جو ایک قوتِ باطنی ہے اسی لئے عقل کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو برائیوں سے روکتی ہے اور

بھلائیوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ عقل وہ قوت ہے جو علم کے قبول کے لئے آمادہ رہتی ہے نیز جو علم اس قوت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اسے بھی عقل کہا جاتا ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ (اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق عقل سے زیادہ معزز نہیں پیدا فرمائی) یہاں معنی اول مراد ہے اور مَا كَسَبَ اَحَدٌ شَيْئًا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ يَهْدِيْهِ اِلَى الْهُدٰى اَوْ يَرُدُّهٗ عَنْ رَدًى (ایک شخص کی سب سے بہترین کمائی وہ عقل ہے جو اس کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے اور ہلاکت سے بچاتی ہے) یہاں معنی دوم مراد ہے۔ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بے عقلی کی بنیاد پر کفار کی مذمت کی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں، مثلاً: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (کافر بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ عقل نہیں رکھتے) اور جہاں سے بندہ سے بے عقلی کی وجہ سے شرعی تکالیف اٹھانے کا ذکر ہے وہاں پہلے معنی مراد ہیں)۔

(القاموس القرآن۔ص:۱۴۲)

عقل چونکہ برائی سے اور برے انجام سے انسان کو بچاتی ہے اس لئے عقلمندوں کو قرآن میں اُولِی النُّهٰى کہا گیا ہے۔ نَهى یا يَنهٰى کے معنی روکنا اور منع کرنا ہے۔ نُهيَةٌ کے معنی عقل کے ہیں جو انسان کو فعلِ قبیح اور غیرِ مناسب چیز سے روکتی ہے اس کی جمع نُهٰى ہے۔انسان اور دیگر حیوانات میں جو فرق ہے وہ عقل ہی کا ہے۔

انسان جو شرعی احکام کا مکلّف ہے اور آخرت میں اللہ کے حضور جواب دہ ہے وہ عقل ہی کی بنیاد پر ہے اس لئے نابالغ آدمی اور مجنون پر سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ شراب کو اور ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپنے والی ہے حرام قرار دیا گیا ہے۔ خمر کے معنی ہی ڈھانپنے کے ہیں جو چیز انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اس کا استعمال گناہِ کبیرہ ہے اور استعمال کرنے والے پر شرعی حد جاری کی جاتی ہے۔

ایک شخص مختلف معاملات میں بہت دانشمند اور ماہر ہوتا ہے لیکن حق و باطل اور صحیح اور غلط میں امتیاز نہیں کرتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی عقل کا صحیح استعمال نہیں کررہا ہے۔ قرآنِ کریم میں جو لوگ اپنی عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں انہی کو عقلمند اور دانشمند قرار دیا ہے۔

اوپر ذکر کی گئی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کی چار صفات بیان کی ہیں۔

۱) طاغوت کی بندگی سے پوری طرح اجتناب:

طاغوت کا لفظ طغیٰ سے آتا ہے جس کے معنی اپنی حد سے بڑھ جانا ہے اور طاغوت صیغۂ مبالغہ ہے جیسے رحموت اور عظموت۔ دریا کا پانی اپنی پاٹ سے گذر جاتا ہے تو اس کو دریا کی طغیانی کہا جاتا ہے۔ جس سے اطراف کے لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ طاغوت کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں ہُڑ دنگا جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سند نہ رکھے ایسے کو طاغوت کہتے ہیں؛ بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کسی کی بھی

پرستش کی جائے وہ سب طاغوت میں شامل ہیں۔

۲) انابت الی اللہ:

جن لوگوں نے بتوں سے، شیاطین کی عبادت سے اور غیر اللہ کی بندگی سے اجتناب کر کے پوری طرح اللہ کی جانب متوجہ رہے اور اس کی عبادت اور اطاعت میں لگے رہے ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کہا ہے اور ان کے لئے خوش خبری دی ہے۔

۳،۴) کلام اللہ کا استماع اور اتباع:

جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ علامہ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ قول سے مراد اللہ کا کلام قرآن مع تعلیماتِ رسول کے ہے وہ سب احسن ہی احسن ہے۔ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیماتِ رسول کا اتباع بے بصیرت کے ساتھ نہیں کیا جیسا کہ بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق و بصیرت کے اس کی اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آیت کے آخر میں ان لوگوں کو اولوا الالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو موسیٰ؈ کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔ فخذها بقوة وأمر قومك ياخذوا باحسنها۔ (اس کو مضبوطی سے پکڑ و اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس

کی احسن چیزوں پر عمل کریں) یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں اسی طرح مذکورہ آیات میں استماعِ قول سے مراد استماعِ قرآن اور اتباعِ احسن سے مراد پورے قرآن کا اتباع ہے جس کو اگلی آیت میں احسن الحدیث فرمایا گیا ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ قرآن میں بہت سے احکام حسن اور احسن درجات کے ہیں، مثلاً انتقام اور عفو دونوں جائز ہیں مگر عفو احسن اور افضل ہے۔ بہت سی چیزوں میں رخصت دی گئی ہے مگر عزیمت پر عمل کرنے کو احسن اور افضل فرمایا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ یہ لوگ باتیں تو سب کی سنتے ہیں کفار کی بھی اور مومنین کی بھی، حق بھی باطل بھی، اچھی بھی بری بھی لیکن اتباع صرف اس بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید و شرک میں توحید کا، حق و باطل میں حق کا اور حق کے مختلف درجات میں جو احسن ہو اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کو دو صفات کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ پہلی هَدٰهُمُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اس لئے مختلف قسم کے لوگوں کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں، دوسرے اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْبَاب یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں، عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے برے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ (معارف القرآن۔ جلد ہفتم۔ ص: ۵۴۷)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران ۔۱۹۱،۱۹۰)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے یکے بعد دیگرے آنے میں ان لوگوں کے لئے بڑے بڑے دلائل ہیں جو اہلِ عقل وخرد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ان چیزوں کو عبث اور بے کار نہیں پیدا کیا تو ہر عیب سے پاک ہے پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

(آگے یہ دعا کرتے ہیں کہ) اے ہمارے پرودگار جس کو تو نے جہنم میں داخل کر دیا درحقیقت اس کو تو نے رسوا ہی کر دیا اور ایسے گناہ گاروں کا کوئی مددگار نہیں۔اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے ہیں۔اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔اے ہمارے پروردگار جن چیزوں کا تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے ہم کو عطا کر اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کر بلاشبہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ان آیات میں عقلمندوں کے صفات یہ بیان کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ آسمانوں

اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے جو مختلف احوال اور کیفیات کا ظہور ہوتا ہے اس پر گہری نظر ڈالتے ہیں اور نتیجہ خیز فکر سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے کمالِ قدرت پر ایمان لاتے ہیں۔ ایک غور و فکر وہ ہے جو آج کل کے سائنسدان اور فلاسفہ کرتے ہیں جس کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔ ایک غور کرنا یہ ہے کہ نظامِ عالم پر غور و فکر کرنے کے بعد خالق کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے احکام کو قبول کیا جائے جو ایک مومنِ کامل کی شان ہے یہی اہلِ عقل و خرد کا کام ہے اور یہ لوگ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اس ذکر سے مراد ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی دونوں ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ اور ابوالدرداءؓ کا قول ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر پوری شب کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک گھڑی کی فکر ساٹھ (٦٠) سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہ بھی انہی سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک شخص لیٹا ہوا آسمان کو اور تاروں کو دیکھ رہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس کائنات کا ایک خالق اور ایک رب ہے یا اللہ مجھے بخش دے۔ اللہ نے اس شخص پر نظرِ رحمت ڈالی اور اس کو بخش دیا۔ حضرت عونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ تفکر اور اعتبار افضل عبادت ہے۔ عامر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سنا کہ ایمان کا نور تفکر ہے۔ حضرت شیخ سلیمان دارانیؒ کا قول ہے کہ جب میں اپنے گھر سے نکلتا ہوں تو جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے اس کو

اپنے اوپر اللہ کی ایک نعمت دیکھتا ہوں اور مجھے اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ مجھ سے اجازت لے کر اٹھے، مشک سے پانی نکالا اور وضو کیا مسواک کی اور نماز پڑھنی شروع کی نماز میں روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسو نیچے گرنے لگے سجدے میں اس طرح روئے کہ زمین تر ہوگئی صبح تک آپ روتے رہے جب حضرت بلالؓ حاضر ہوئے اور انہوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے آل عمران کی آخری آیات اِنَّ فِیُ خَلُقِ السَّمٰوٰتِ وَالُاَرُض ۔۔۔۔۔ اِلَی الُاٰخِرِ نازل فرمائی ہیں اس شخص پر افسوس ہے کہ جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور اس پر غور وفکر نہیں کیا۔
(ملخصاً کشف الرحمٰن)

عقلمندوں کی دیگر صفات:

ا) عقلمند ہی نصیحت کو قبول کرتے ہیں:

ا) یُؤُتِی الُحِکُمَۃَ مَنُ یَّشَآءُ وَمَنُ یُّؤُتَ الُحِکُمَۃَ فَقَدُ اُوُتِیَ خَیُرًا کَثِیُرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الُاَلُبَابِo (البقرہ۔۲۶۹)

ترجمہ: وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے جس شخص کو حکمت عطا کی گئی اسے خیرِ کثیر عطا کیا گیا اور نصیحت کو قبول نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل سے صحیح کام لینے والے ہیں۔

ب) هُوَ الَّذِیُ اَنُزَلَ عَلَیُکَ الُکِتٰبَ مِنُهُ اٰیٰتٌ مُّحُکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الُکِتٰبِ

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (آل عمران۔۷)

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں وہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور بعض متشابہات ہیں جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے وہ انہی آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور اس کا مطلب معلوم کریں حالانکہ اس کا حقیقی مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان آیات پر ایمان لائے ہر ایک محکم اور متشابہہ آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت کو قبول نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل سے صحیح کام لینے والے ہیں۔

ج) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (الرعد۔۱۹)

ترجمہ: بھلا وہ شخص جو اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو قرآن آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اس شخص کے مثل ہوسکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل سے صحیح کام لینے والے ہیں۔

د) هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (ابراہیم۔۵۲)

ترجمہ: یہ لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے انہیں ڈرایا جائے اور وہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہی ایک معبودِ برحق ہے اور تا کہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ہ) کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ (ص۔۲۹)

ترجمہ: یہ بابرکت کتاب ہم نے آپ پر اس لئے نازل کی ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور عقلمند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

و) قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ (الزمر۔۹)

ترجمہ: آپ پوچھیئے کہ جاننے والے اور جو نہیں جانتے کیا برابر ہو سکتے ہیں، نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل سے کام لینے والے ہیں۔

۲) یاد دہانی، نصیحت، ہدایت اور عبرت عقلمندوں کی صفات ہیں:

ا) لَقَدۡ كَانَ فِىۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ (یوسف۔۱۱۱)

ترجمہ: بلاشبہ ان لوگوں کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

ب) وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝ (ص۔۴۳)

ترجمہ: اور ہم نے اس (حضرت ایوبؑ) کے اہل وعیال اور اتنی ہی تعداد میں اس

کے مثل اپنی رحمت سے عطا کئے اور یہ یاد دہانی ہے عقلمندوں کے لئے۔

ج) اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ‏o (الزمر-۲۱)

ترجمہ: کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس پانی کو زمین کے ان مقامات میں داخل کر دیا جو بہنے اور نکلنے کے راستے ہیں پھر اس پانی سے مختلف رنگوں کی کھیتی نکالی پھر وہ بالکل خشک ہو جاتی ہے اور تو دیکھتا ہے کہ وہ زرد پڑ گئی ہے پھر اس کو چورا چورا کر ڈالتا ہے بے شک ان حالات میں عقلمندوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

د) وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡهُدٰى وَاَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ‏o هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ‏o (المومن-۵۴،۵۳)

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت (کتاب) عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا جو عقلمندوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔

۳) عقلمند لوگوں سے ہی تقویٰ کی امید کی جاتی ہے اسی لئے اللہ نے انہیں تقویٰ کا حکم دیا ہے:

ا) وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ‏o (البقرہ-۱۷۹)

ترجمہ: اے عقلمند لوگوں تمہارے لئے قصاص (شرعی بدلہ) میں زندگی ہے امید کہ تم

اس کی خلاف ورزی کرنے سے بچو گے۔

ب) وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ○

(البقرہ۔۱۹۷)

ترجمہ: (حج کے سفر میں) اپنے ساتھ زادِراہ لے لیا کرو بہترین زادِراہ تقویٰ ہے اور میرا تقویٰ اختیار کرو اے عقلمند لوگو۔

ج) اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا○ (الطلاق۔۱۰)

ترجمہ: (جن بستیوں نے اللہ کی نافرمانی کی) اللہ نے ان کے لئے ایک شدید عذاب تیار کر رکھا ہے سوائے عقل والو تم اللہ سے ڈرتے رہو جو ایمان لا چکے ہو بے شک اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت بھیجی ہے۔

شیخ سعدیؒ کا ایک دلچسپ نکتہ:

گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

(اگر روئے زمین سے پوری عقل اٹھ جائے یعنی اللہ تعالیٰ اٹھالے تو کوئی بھی اپنے بارے میں یہ گمان نہیں کرے گا کہ میں بے عقل ہوں)

انسان اپنی فطری اور اکتسابی عقل سے کس طرح محروم رہ جاتا ہے یہ بیان کرنے کا موقع نہیں ہے ان شاء اللہ کسی اور موقع پر تفصیل کے ساتھ یہ مضمون بیان کیا جائے گا۔ اتنی بات تو ضرور یاد رکھیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے

آدمی عقل سے اس طرح محروم کر دیا جاتا ہے کہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق دے، ہماری عقل وحواس کو مرتے دم تک باقی رکھے اور اس سے صحیح کام لینے کی توفیق دے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۴) منفی پہلو کی اہمیت

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا بِالۡقِسۡطِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ○ (آل عمران ۔۱۸)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشٰھدین والشٰکرین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ کارخانۂ عالم کا انتظام کرنے والا ہے اور فرشتوں نے بھی اسی کی گواہی دی ہے اور اہلِ علم نے بھی اسی کا اقرار کیا ہے۔ اس زبردست اور حکمت والے کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ناچیز کے ایک کرم فرما بزرگ تھے جو حکومت کے اعلیٰ عہدہ سے وظیفہ یاب ہونے کے بعد قوم کے سیاسی، سماجی اور مذہبی رہنماء بن گئے تھے۔ ناچیز کے درسِ قرآن اور درسِ حدیث میں شرکت فرماتے تھے۔ مجھ سے اکثر کہتے کہ ہمیشہ مثبت بات کہنی چاہیئے اور منفی بات کبھی نہیں کہنی چاہیئے۔ ان کے الفاظ میں do, do (کرو، کرو) کہنا چاہیئے اور don't (مت کرو) کبھی نہیں کہنا چاہیئے۔ ان کے علاوہ

بھی مغربی ذہنیت کے لوگوں کا یہی خیال ہے کہ بات کو صرف مثبت انداز میں کہنا چاہئیے منفی انداز کبھی اختیار نہیں کرنا چاہئیے ۔ ناچیز نے ان کی باتوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جو جائزہ لیا ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

جو آیت ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی گواہی پیش کی ہے کہ وہ تنہا، اکیلا معبود ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر کس کی گواہی ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام آسمانی کتابوں میں اس مضمون کو صاف طور پر بیان کیا ہے اور کائنات کا ایک ایک چپا چپا شہادت دے رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ (اور ہر چیز میں اس کی نشانیاں ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اکیلا اور تنہاء ہے)،فرشتوں کی گواہی اللہ کی گواہی کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے،فرشتے تو نام ہی اس مخلوق کا ہے جو صدق وحق کے راستہ سے سرتابی نہ کرسکے۔ چنانچہ فرشتوں کی تسبیح وتمجید تمام تر توحید وتفرید باری پر مشتمل ہے۔ نیز علم والے بھی ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کرسکتے۔

جلبِ منفعت سے اہم دفع مضرت ہے:

حکماء اور علمائے اسلام کا قول ہے کہ جلبِ منفعت (نفع حاصل کرنے)

سے زیادہ اہم چیز دفع مضرت (نقصان سے بچنا) ہے۔اس لئے شریعت نے بہت ساری چیزوں سے روکا اور منع کیا ہے لہٰذا منفی پہلو پر اعتراض کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

۱) اسلام کا کلمہ:

جو کلمہ پڑھ کر ایک شخص دائرۂ ایمان اور اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ لا سے شروع ہوتا ہے۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

۱) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔اول یہ کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، دوم نماز قائم کرنا، سوم زکوٰۃ ادا کرنا، چہارم حج کرنا اور پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔

۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (سچے دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں، جنت کی کنجیاں (حاصل کرنا) ہے۔

کلمہ کی ابتداء میں جو لفظ ''لا'' ہے، اس کو ''لا لنفی الجنس'' کہتے ہیں۔ اس لئے اس کے بعد جو اسم آتا ہے اس پر صرف ایک زبر آتا ہے جیسا کہ ''الہ'' پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا جنسِ الہ میں کوئی اور معبود نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بہت سے معبود ہیں اس میں اللہ بھی ایک معبود ہے بلکہ اللہ کے سوا جنسِ الہ میں تمام معبودوں کی نفی ہے۔

ب) آیۃ الکرسی:

قرآن کی سب سے عظیم آیت آیۃ الکرسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا جامع تعارف اور جامع عقیدہ پیش کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ ○ (البقرہ۔۲۵۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس پر نہ اونگھ طاری ہوتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں کسی کی سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور

جو کچھ ان کے بعد ہونے والا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور مخلوق اس کی معلومات میں سے کسی سے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر ہاں جس قدر وہ خود چاہے اس کا تختِ حکومت سب آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہی سب سے برتر اور بزرگ ہے۔

غور طلب بات ہے اللہ تعالیٰ کا تعارف شروع ہوتا ہے لا الٰہ الا اللہ سے۔ اس کے علاوہ آیۃ الکرسی میں تین جملے ''لا'' سے شروع ہوتے ہیں۔ آیۃ الکرسی کے بعد جو آیت ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ٥

(البقرہ۔۲۵۶)

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں یقیناً ہدایت کی راہ گمراہی سے نمایاں اور ممتاز ہو چکی ہے۔ سو جس شخص نے تمام معبودانِ باطلہ کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جس کو کبھی ٹوٹنا نہیں اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ پر ایمان لانے کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے تمام معبودانِ باطل کا انکار کرے اور پھر اللہ پر ایمان لائے جب ہی ہدایت نصیب ہوگی۔

ہدایت کی بنیاد تقویٰ ہے:

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کے شروع میں فرماتے ہیں: ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (ہدایت متقی لوگوں کے لئے ہے)۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ تقویٰ کے اصل معنی ہیں ''نفس کو خوف کی چیز سے بچانا''۔ پھر مجازاً کبھی خوف بول کر تقویٰ اور تقویٰ کہہ کر خوف بھی مراد لے لیا جاتا ہے۔ اصطلاحِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں گناہ کی بات سے نفس کی حفاظت کرنا۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے ممنوعاتِ شرعیہ کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اور اس کی تکمیل کے لئے احتیاطاً مباحات کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

(قاموس القرآن)

تقویٰ کی تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس میں بھی منفی مفہوم ہی اصل ہے۔

حنیف کے معنی:

حضرت ابراہیمؑ کے لئے قرآن میں حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (یکسو ہو کر اللہ کا ہو گیا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا) کے الفاظ آئے ہیں۔ حنیف کے معنی سب جھوٹے مذاہب سے بیزار اور سب سے کٹ کر خدا کا ہو جانے والا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ لفظ حنیف، حنف سے صفتِ مشبہ ہے۔ جنف کے معنی راہِ راست چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکنے کے ہیں اور حنف کے معنی ہر گمراہی کو چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنا ہے۔ حنیف وہ ہے جو ہر باطل مذہب سے روگران ہو جائے۔ حنیف

کے معنی میں بھی منفی مفہوم ہی اصل ہے۔ (قاموس القرآن)

عربی زبان کا اندازِ بیان:

مثبت بات کو پوری قطعیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے عربی زبان میں منفی طرزِ کلام اختیار کیا جاتا ہے جس سے مثبت بات کی تاکید ہوتی ہے۔ مثلاً:

۱) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ؏ (الطّور۔۵۶)

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

۲) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ؏ (الانبیاء۔۱۰۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر سارے جہاں والوں کے لئے۔

۳) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران۔۱۴۴)

ترجمہ: اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول ہی، یقیناً اس سے پہلے کئی رسل گزر چکے ہیں۔

۴) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (البقرہ۔۱۷۷)

ترجمہ: نہیں ہے یہ نیکی کہ تم اپنا چہرہ مغرب یا مشرق کی طرف پھیر لو۔۔۔۔۔ (آگے نیکی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں)

۵) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ؏ (الحجر۔۸۵)

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان

ہے مگر حق کے ساتھ اور بے شک قیامت البتہ آنے والی ہے لہٰذا آپ خوبی کے ساتھ (ان سے) درگزر کریں۔

٦) وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (النساء۔٦٤)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

٧) وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ○ (یوسف۔١٠٦)

ترجمہ: اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرتے رہتے ہیں۔

٨) بعض مقامات پر ''لا'' زائد ہوتا ہے یا ماقبل کسی بات کی تردید مقصود ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

i) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا○ (النساء۔٦٥)

ترجمہ: سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ جس معاملہ میں اختلاف ہو گیا ہے آپ کو حکم نہ بنائیں پھر اس فیصلہ کے تعلق سے جو آپ صادر کریں اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے سر بسر تسلیم کر لیں۔

ii) لَاۤ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ○ وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ○ (القیمہ۔١،٢)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور میں قسم کھاتا ملامت کرنے والے

نفس کی۔

iii) لَا اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ؁ (البلد۔۱)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔

نہی عن المنکر (منکرات سے روکنا):

منکرات سے روکنے کے لئے تو ''لا'' کا استعمال ضروری ہے۔منکرات کی تعداد تو محدود ہے اس لئے اس کو نام بنام روکنا ضروری ہے کیونکہ مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا (المائدہ۔۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بے حرمتی کرو اللہ کی نشانیوں کی، نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا کے لئے بیت الحرام جارہے ہوں۔

۲) حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیۡحَةُ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡھُمۡ وَاخۡشَوۡنِ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (المائدہ۔۳)

ترجمہ: حرام کیا گیا ہے تم پر مردار، خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور گلا گھونٹ کر مرنے والا یا چونٹ سے گر کر مرنے والا یا سینگ لگنے سے مرنے والا یا وہ جس کو درندے نے کھایا ہے مگر یہ کہ تم اس کو پکڑ کر ذبح کرلو۔ جو کسی آستانہ پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیر سے تم قسمت معلوم کرو۔ یہ سب بڑے گناہ ہیں۔ کافر آج تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے بطورِ دین کے پسند کرلیا۔ پھر جو شخص بھوک سے مجبور ہو جائے اور گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو (تو بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے) بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۳) وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (المائدہ۔۸)

ترجمہ: کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ بلکہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو کیونکہ یہی بات تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ (المائدہ۔۵۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نہ بناؤ دوست یہود و نصاریٰ کو۔

۵) لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (المائدہ۔۷۷)

ترجمہ: تم غلو نہ کرو دین میں ناحق۔

٦) لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ۔۱۰۱)

ترجمہ: نہ تم سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں کہ اگر وہ ظاہر کردی جائیں تم پر تو بری لگیں تمہیں۔

انبیائے کرام کی دعوتیں:

تمام انبیائے کرامؑ کی دعوت معبودانِ باطل سے کٹ کر صرف ایک اللہ کی بندگی کرنے کی تھی۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ تبلیغ کا ذکر کیا ہے۔ سب نے اپنی قوم سے یہی بات کہی کہ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے)۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ٥ (الانبیاء۔۲۵)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ اس کی طرف ہم اس بات کی وحی کرتے رہے کہ بلاشبہ نہیں کوئی معبود مگر میں ہی۔ سو تم میری ہی عبادت کرو۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡ اِلَیۡهِمۡ فَسۡئَلُوۡا اَهۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (الانبیاء۔۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ وہ مرد ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

آخر میں ہمارے نبی ﷺ کی سارے انسانوں کے لئے دعوت پیش کی گئی ہے۔ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ○ (الاعراف۔۱۵۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے انسانو! یقیناً میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔ وہ ذات کہ اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، نہیں کوئی معبود اس کے سوا، وہی زندگی دیتا ہے اور مارتا ہے لہٰذا تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبیٔ امی پر جو خود بھی اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان لاتا ہے اس کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

ایمان کی کسوٹی:

۱) عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِ الۡخُدۡرِیِّ عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنۡ رَاٰی مِنۡکُمۡ مُنۡکَرًا فَلۡیُغَیِّرۡهُ بِیَدِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهٖ وَذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِیۡمَانِ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ اگر وہ ہاتھ کے ذریعہ سے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اس کو روکے اور اگر زبان کے ذریعہ سے بھی بولنے کی طاقت نہیں رکھتا تو دل میں برا سمجھے یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

شریعت جس چیز کو جانتی ہے اور اس کی اجازت دیتی ہے وہ معروف ہے۔ شریعت جس کی اجازت نہیں دیتی وہ منکر ہے۔ معروفات میں تمام چھوٹے سے لے کر اعلیٰ درجہ تک کی نیکیاں داخل ہیں اور منکرات میں سب چھوٹے بڑے تمام گناہ داخل ہیں۔ تمام شرعی احکام معروفات اور منکرات ہی کا مجموعہ ہیں۔

مشائخ کرام کی بیعت:

ہمارے مشائخ اصلاح کی غرض سے آنے والوں سے جو بیعت لیتے ہیں، اس میں سب سے پہلے تمام گناہوں سے توبہ واستغفار کراتے ہیں پھر اس بات کا عہد لیتے ہیں کہ تمام گناہوں سے اپنے آپ کو بچا کر شریعت کی پابندی کروں گا۔ یہاں پر بھی منفی پہلو ہی نمایاں ہے۔

ان تمام آیات واحادیث کی روشنی میں دین میں منفی پہلو کی اہمیت سے آپ کے سامنے واضح ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۵) انبیائے کرامؑ کے قریبی رشتہ داران کے مخالف رہے

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ○ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ○ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ○ وَّامۡرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ○ فِیۡ جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ○ (اللھب)

صدق اللّٰه العظیم وصدق رسوله الکریم ونحن علٰی ذٰلك من الشٰهدین والشکرین۔

ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہوجائے۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب ایک شعلہ مارتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو سر پر ایندھن اٹھا کر لاتی ہے۔ اس کی گردن میں خوب مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

داعیانِ حق کے رشتہ دار اگر دعوتِ حق کی تائید نہیں کرتے یا مخالفت کرتے ہیں تو عوام الناس کو یہ کہنے کا ایک بہانہ مل جاتا ہے کہ ان کے قرابت دار ہی ان کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں باہر کے لوگ کیا قبول کریں گے؟ انبیائے کرامؑ کی دعوت و تبلیغ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر آتی ہے کہ ان کے بعض قرابت داروں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی اور ان کی مخالفت کرتے رہے۔ ابولہب اللہ کے

رسول ﷺ کا حقیقی چچا تھا اور آپ ﷺ کا سخت دشمن اور مخالف تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے نام سے قرآن میں ایک سورت ہی نازل کر دی۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ ﷺ کی سرپرستی اور حمایت کرتے رہے لیکن انہوں نے بھی آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا اور ان کی بیوی ان کے مخالف رہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ ''آزر'' بت پرست بھی تھے اور بت گر بھی تھے، حضرت ابراہیمؑ کی دعوتِ توحید پر انہیں یہ وارننگ دی کہ وہ گھر سے نکل جائیں ورنہ انہیں سنگسار کر دیں گے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی بھی ان کی مخالف رہی اور اس کا حشر بھی قومِ لوط کے ساتھ معذبین میں ہوا۔

''ابولہب'' (جس کا حقیقی نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغامِ حق سناتے تو یہ بدبخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بیدین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا ''تبا لکما ما ارٰی فیکما شیئا مما یقول محمد ﷺ'' (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد ﷺ بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ''کوہِ صفا'' پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ ﷺ

کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے ۔ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی ۔ ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا ''تبًّا لك سائر اليوم الهٰذا جمعتنا ''(یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے ۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال واولاد بہت ہے ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا ۔ اس کی بیوی اُمِ جمیل کو پیغمبرؑ سے بہت ضد تھی ۔ جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی ۔ سورۂ ھٰذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت ، اپنا ہو یا بیگانہ ، بڑا ہو یا چھوٹا ، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہے گا ۔ پیغمبر کی قرابتِ قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی ۔ یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں بناتا اور اپنی قوتِ بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے ، سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے ، اس کی سب کوششیں حق کو دبانے کی برباد ہو چکیں ، اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی ، اس کے اعمال اکارت ہوئے ، اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا ۔ یہ سورت مکی ہے ۔ کہتے ہیں کہ غزوۂ ''بدر'' سے سات روز بعد اس کے بدن میں زہریلے قسم

کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش وہیں پر پڑی رہی، کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبا دی گئی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھکیل دیا اور اوپر سے پتھر بھر دیئے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ دنیا اس کو ابولہب اس لئے کہتی تھی کہ اس کے رخسار شعلہ کی طرح چمکتے تھے مگر قرآن نے بتا دیا کہ اپنے آخری انجام کے لحاظ سے شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا اور ابولہب کہلانے کا مستحق ہے۔

(تفسیرِ عثمانی)

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب جنہوں نے آپ ﷺ کی عمر جب آٹھ سال تھی اس وقت سے پرورش کی اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کو چاہتے رہے۔ پھر جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے تو آپ ﷺ کے پشت پناہ اور سینہ سپر بنے رہے لیکن ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ابوطالب کا آخری وقت تھا اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا کہ آپ کلمہ پڑھ لیں لیکن وہاں مشرکین کے سردار موجود تھے جو انہیں عار دلانے لگے کہ کیا اب مرتے وقت بھتیجے کا کلمہ پڑھیں گے؟ اللہ کے رسول ﷺ بار بار آپ سے تقاضہ کرتے رہے تو ابوطالب نے کہا کہ اگر یہ لوگ مجھے عار نہ دلاتے تو میں تمہارا کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶/ نازل فرمائی۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ○ (القصص۔۵۶)

ترجمہ: بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت عطا کرتا ہے۔اور وہی راہ پر آنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت نوحؑ کا بیٹا:

حضرت نوحؑ کا بیٹا اوران کی بیوی دونوں ایمان نہیں لائے اوران لوگوں میں شامل ہوئے جن پر عذاب نازل ہوا۔

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ○ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ فَلَا تَسۡئَلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِكَ اَنۡ اَسۡئَلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَاِلَّا تَغۡفِرۡلِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ○ (ہود۔۴۷-۴۵)

ترجمہ: اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور یوں کہا اے میرے رب یہ میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں کا بڑا حاکم ہے۔اللہ نے کہا اے نوح! یہ بیٹا تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے کام ناشائستہ ہیں مجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست نہ کر جسکی تجھ کو خبر نہ ہو میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تو نادانوں میں شامل نہ ہو جائے۔نوحؑ نے کہا اے میرے

رب ! میں اس بات سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ کسی ایسی بات کی درخواست کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہو اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں بڑا خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوحؑ کے چار بیٹوں (حام، سام اور یافث) میں ایک بیٹا کنعان تھا جو والد بزرگوار کی نصیحت کے باوجود کشتی میں سوار نہ ہوا اور غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے گھر والوں کو طوفان سے بچائیں گے اور بلاشبہ آپ کا وعدہ حق و صحیح ہے، مگر صورتحال یہ ہے کہ میرا بیٹا جو میرے گھر والوں میں داخل ہے وہ طوفان کی نذر ہو رہا ہے اور آپ تو احکم الحاکمین ہیں ہر چیز آپ کی قدرت میں ہے، اب بھی اس کو طوفان سے بچا سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو تنبیہ کی کہ یہ لڑکا آپ کے اہل وعیال میں داخل نہیں رہا کیونکہ اس کا عمل اچھا نہیں ہے بلکہ تباہ کار ہے اس لئے آپ کو نہیں چاہیئے کہ اس حقیقتِ حال سے بے خبر رہ کر مجھ سے کوئی سوال کریں ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ نادانوں میں داخل نہ ہو جاؤ۔

حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ حضرت نوحؑ کو اس بیٹے کے کفر کا پورا حال معلوم نہ تھا اس کے نفاق کی وجہ سے وہ اس کو مسلمان ہی جانتے تھے۔ اسی لئے اس کو اپنے اہل کا ایک فرد قرار دے کر طوفان سے بچانے کی دعا کر بیٹھے ورنہ اگر ان کو حقیقتِ حال معلوم ہوتی تو ایسی دعا نہ کرتے کیونکہ ان کو

صریح طور پر پہلے ہی یہ ہدایت دے دی گئی تھی کہ جب طوفان آجائے تو پھر آپ ان سرکشوں میں سے کسی کے متعلق کوئی سفارش کی گفتگو نہ فرمائیں۔ فَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (آپ ظالموں کے تعلق سے کوئی سفارش نہ کریں یقیناً وہ غرق ہونے والے ہیں)، اس صاف اور صریح حکم کے بعد ناممکن تھا کہ پیغمبرِ خدا اس کی خلاف ورزی کی جرأت کرتے۔ اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ اس بیٹے کے مومن ہو جانے کی دعا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے موجودہ حال میں اس کو طوفان سے بچایا جائے لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی اس کے کفر سے لاعلمی اور اس کی بناء پر دعائے نجات کو بھی حق تعالیٰ نے صحیح عذر قرار نہیں دیا اسی لئے تنبیہ کی گئی کہ بغیر علم کے ایسی دعا کیوں کی؟ اور یہ پیغمبرانہ شان کی ایک ایسی لغزش ہے جس کو حضرت نوح علیہ السلام اس وقت بھی اپنے عذر میں پیش کریں گے جب محشر میں پوری مخلوقِ خدا آپ سے شفاعت کرنے کی درخواست کرے گی تو وہ فرمائیں گے کہ مجھ سے ایسی لغزش ہو چکی ہے اس لئے میں شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (ملخصاً معارف القرآن۔ جلد چہارم)

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ○ (التحریم۔۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی حالت بیان

فرماتا ہے وہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دوخاص بندوں کے نکاح میں تھیں پھران عورتوں نے ان دونوں بندوں کے حق میں خیانت کی لہٰذا وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آئے اوران دونوں عورتوں کوحکم دیا گیا کہ تم دونوں بھی اورجانے والوں کے ساتھ آگ میں داخل ہوجاؤ۔

تفسیر میں حضرت نوحؑ کی بیوی کا نام وابلہ اورحضرت لوطؑ کی بیوی کا نام والہہ بتایا گیا ہے۔حضرت لوطؑ کی بیوی کافروں سے ملی ہوئی تھی اورحضرت لوطؑ کی مخالفت کرتی تھی۔جب وہ محترم مہمان (فرشتے) حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر مقیم ہوئے تو ان کی بیوی نے اپنے قوم کے اوباش لوگوں کوخبر کردی کہ آج ہمارے گھر میں اس طرح کے مہمان آئے ہیں۔ (معارف القرآن۔جلد چہارم)

اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اورلوطؑ کی بیوی کی حالت بیان فرماتا ہے۔وہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دوخاص بندوں کے نکاح میں تھیں یعنی حضرت نوحؑ اورلوطؑ پھران عورتوں نے دین کے معاملہ میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی اورکفارومشرکین کی امدادوموافقت خفیہ کرتی رہیں جس کے نتیجہ میں جہنم رسید ہوگئیں۔اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی زوجیت بھی ان کوعذابِ الٰہی سے نہ بچاسکی۔

پہلے انبیاء کے شریعتوں میں کافرعورتوں سے نکاح جائز تھا۔ان کی بیویاں بے دین تھیں لیکن بدکارنہیں تھیں۔کسی نبی کی بیوی بھی بدکارنہیں تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے باپ:

حضرت ابراہیمؑ کے باپ آزر بت گر بھی تھے اور بت پرست بھی تھے۔ آپؑ نے اپنے باپ کو پدرانہ شفقت و عظمت سے بہت سمجھایا کہ بت پرستی سے باز آجائیں مگر الٹا انہوں نے آپ کو دھمکی دی کہ تو یہاں سے نکل جا ورنہ تجھے سنگسار کر دوں گا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا ٥ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ٥ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ٥ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ٥ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ٥

(مریم۔ ۴۲-۴۶)

ترجمہ: جب اس (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! تو اس چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے جو نہ کچھ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ وہ تیرے کچھ کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ بلاشبہ مجھ کو وہ علم عطا ہوا ہے جو تجھ کو نہیں دیا گیا سو تو میری پیروی کر میں تجھ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ تو شیطان کی عبادت نہ کر کیونکہ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو تجھ کو رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب آ پکڑے اور تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔ یہ سن کر ابراہیمؑ نے باپ نے جواب دیا اے ابراہیم! کیا تو میرے

معبودوں سے پھرا ہوا ہے؟ اگر تو اس حرکت سے باز نہیں آیا تو یقیناً میں تجھ کو سنگسار کردوں گا اور تو ایک مدتِ دراز کے لئے میرے سامنے سے دور ہو جا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ o (التوبہ۔۱۱۴)

ترجمہ: اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا تو وہ محض ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا پھر جب اس کو یہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہوگیا بلاشبہ ابراہیم بڑا نرم دل اور متحمل مزاج تھا۔

ابراہیمؑ کو ان کے والد نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی تو ان کے باپ کو سَلَامٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِيًّا (ابراہیم نے کہا سلام ہو تجھ پر میں تیرے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) کہہ کر ان سے جدا ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ایک مشرک کی حالتِ شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق دے کہ حالتِ شرک سے نکل کر آغوشِ اسلام میں آجائے اور قبولِ اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ ''اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ '' (اسلام قبول کرنے کے بعد پہلے کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں)۔ ابراہیمؑ کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ

نے دیا کہ ابراہیمؑ نے وعدے کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفروشرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہوجائے اور بخشا جائے۔ پھر جب کفروشرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیمؑ اس سے بالکلیہ بیزار ہوگئے اور دعاء واستغار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعاء کرتے تھے جب توبہ اور رجوع کے احتمالات منقطع ہوگئے تو آپ نے ان کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھالیا اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبروتحمل سے برداشت کیا۔حدیث میں ہے کہ محشر میں حضرت ابراہیمؑ عرض کرینگے کہ خداوند! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہوکر ضَبُع (کفتار، بجُّو) کی سی ہوجائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے، شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

ان آیات سے یہ معلوم ہوگیا کہ انبیائے کرامؑ کے قریبی رشتہ دار باپ، چچا، بیوی اور اولاد اکثر ان کے پیش کردہ دین کی مخالفت کرتے رہے، بعض تو ان کے جانی دشمن بن گئے۔اس کے باوجود بھی انبیائے کرامؑ نے عوام الناس کے سامنے

دینِ حق پیش کرنے سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ داعیانِ حق کے لئے ان کا نمونہ مثالی ہے۔ انہیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ان کے رشتہ داران کی دعوت کو قبول کرتے ہیں یا نہیں ان کو اپنی ذمہ داری بحسن طریقہ سے پوری کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری دعوتِ حق پیش کرنے کی جو ذمہ داری ہے اسے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۶) عقیدۂ آخرت کی اہمیت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (البقرہ۔۵-۱)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشٰھدین والشکرین۔

ترجمہ: الم ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں ذرا شک نہیں اللہ سے ڈرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ ڈرنے والے وہ ہیں جو غیب کی باتوں پر یقین لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی نیک کاموں میں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں جو اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے یقین رکھتے ہیں اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور وہ لوگ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ بس یہی لوگ اس صحیح راہ پر ہیں جو ان کو ان کے رب کی جانب سے ملی ہے اور یہی لوگ ہیں جو حقیقی فلاح پانے والے ہیں۔

ہدایت متقی لوگوں کے لئے ہے، متقیوں کے جو صفات ان آیات میں بیان کئے گئے ہیں:

۱) غیب پر ایمان لانے والے، ۲) نماز کو قائم کرنے والے، ۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے، ۴) اس قرآن پر اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے والے، اور ۵) آخرت پر پورا یقین رکھنے والے۔

غور طلب بات:

متقین کی اولین صفت غیب پر ایمان بیان کی گئی ہے۔ غیب میں اللہ کی ذات وصفات، وحی، فرشتے، قیامت و آخرت اور جنت دوزخ سب کچھ ہے پھر بھی آخرت پر یقین رکھنا ان کی ایک اہم صفت کے طور پر الگ سے بیان کی گئی ہے۔ دین کے تین بنیادی عقیدوں ۱) اللہ تعالیٰ کی توحید، ۲) انبیائے کرامؑ کی رسالت اور ۳) آخرت، میں عقیدۂ آخرت ہی وہ انقلابی عقیدہ ہے جس سے ایک شخص اور قوم کی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی آتی ہے۔

اصولِ ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوفِ آخرت ہی انسان کو عملِ صالح کے لئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکرِ آخرت پر موقوف ہے۔

(معارف القرآن۔ جلد ہفتم)

قرآن کی مکی سورتوں کا موضوع:

قرآن کی مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں کا موضوع دین کے تین بنیادی عقائد، توحید، رسالت اور آخرت ہیں۔ ساتویں منزل کی اکثر سورتوں کا عمود (مرکزی مضمون) ہی قیامت اور آخرت ہے۔ مدنی سورتوں میں مختلف احکام جو دیئے گئے ہیں، ان کے درمیان اللہ کا تقویٰ اور آخرت کی بازپرس کا بار بار تذکرہ ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی شخص دین پر صحیح عمل نہیں کرسکتا۔ نظرِ غایر سے کوئی شخص قرآن کا مطالعہ کرے تو کوئی صفحہ بھی آخرت کے ذکر سے خالی نہیں ملے گا۔ سورۂ فاتحہ شروع ہوتی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ٥ (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا)۔ آخرت کا تذکرہ براہِ راست یا بالواسطہ آ ہی جاتا ہے۔

بعض سورتوں کے نام ہی قیامت کے اسماء سے موسوم کئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ واقعہ، سورۂ نباء، سورۂ حاقہ، سورۂ قیامہ، سورۂ قارعہ۔ اس کے علاوہ بھی سورۂ ق سے لے کر آخری پارۂ عم تک اکثر سورتوں میں انسان کی موت، موت کے آگے انسان کی بے بسی، عالمِ برزخ، نفخۂ اولیٰ (پہلی مرتبہ صور پھونکا جانا) جس سے تمام مخلوقات فنا ہو جائیں گی، نفخۂ ثانیہ (دوسرا صور پھونکا جانا) جس کے بعد تمام مخلوق زندہ ہو کر اللہ کے حضور حساب کے لئے پیش ہوگی، نامۂ اعمال کا دیا جانا، اعمال کا

وزن کیا جانا، کفار ومشرکین کا جہنم کی طرف ہانکا جانا اور ایمان والوں کا اعزاز کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانا، جہنم میں ہونے والے مختلف قسم کے عذاب اور جنت میں ملنے والی مختلف قسم کی نعمتوں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔ آخرت کے بارے میں جو شبہات ہیں ان کا رد کیا گیا ہے اور آخرت کے واقع ہونے پر عقلی دلائل پیش کیئے گئے ہیں۔

آخرت کا عقیدہ:

آخرت ایک جامع لفظ ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اسے جو وقت (عمر) اور ذرائع دیئے گئے ہیں اور جو حالات اسے پیش آرہے ہیں ان کے ذریعہ سے اس کی آزمائش کی جارہی ہے۔ وہ غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے اللہ کے پاس جواب دہ ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب ہونے کا طریقہ اللہ نے انبیائے کرامؑ کے ذریعہ سے بتا دیا۔ اس دنیا کے خاتمہ کے بعد اللہ تعالیٰ تمام ہی انسانوں کو پھر پیدا کریں گے۔ سب کو جمع کر کے ان کا حساب لیا جائے گا۔ جو لوگ اس دنیا کی آزمائش میں کامیاب قرار پائیں گے انہیں جنت میں داخلہ ملے گا اور جو لوگ ناکام ہوں گے انہیں عذابِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اور آخرت کی زندگی ہمیشہ کی اور دائمی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ o وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ o (المائدہ۔۹،۱۰)

ترجمہ: اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے بڑی بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہمارے احکام کی تکذیب کی تو ایسے ہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں۔

اسمائے الٰہی سے آخرت کا استدلال:

اللہ تعالیٰ کے جو ۹۹، اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے اکثر کا تقاضہ یہ ہے کہ بندوں پر رحم کیا جائے اور انصاف کیا جائے اور اطاعت شعار بندوں کو انعام سے نوازا جائے اور مجرموں کو سزا دی جائے۔ اور یہ روزِ قیامت اور عالمِ آخرت میں ہوگا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام۔۱۲)

ترجمہ: آپ ان سے پوچھیئے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے یہ کس کی ملک ہے آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی ملک ہے اس نے رحم و کرم کا برتاؤ اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے تم سب کو قیامت کے دن وہ ضرور جمع کرے گا اس میں ذرا بھی شک نہیں ہاں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود ہی نقصان میں ڈال لیا ہے سو وہ ماننے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام اَلْحَكَمُ (فیصلہ جاری کرنے والا)، اَلْعَدْلُ (انصاف کرنے والا)، اَلْمُنْتَقِمُ (بدلہ لینے والا)، مَالِكُ الْمُلْكِ (ملک کا مالک)،

اَلْعَزِیْزُ (زبردست جس کے مقابلہ میں کوئی نہیں آسکتا)، اَلْمُبْدِئُ (ابتداء کرنے والا)، اَلْمُحْیِیُ (زندہ کرنے والا) وغیرہ اور دیگر اسمائے حسنٰی کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک دوسرا عالم ہو جہاں بندوں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملے۔ اسمائے حسنٰی سے آخرت کا مضمون اخذ کرنے کے لئے علم وسمجھ کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے قرآن نے براہِ راست آخرت کی دعوت پیش کی۔

فکرِ آخرت انبیائے کرامؑ کا امتیازی وصف ہے:

۱) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَا اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ○ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ○ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ○ (ص۔۴۷-۴۵)

ترجمہ: اور اے پیغمبر ہمارے بندوں ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص وصف کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ دارِ آخرت کا یاد کرنا تھا۔ اور یقیناً وہ ہمارے یہاں برگزیدہ اور بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ کے معنی یہ ہیں کہ ''وہ ہاتھوں اور نگاہوں والے تھے'' مطلب یہ ہے کہ اپنی فکری اور عملی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اعضائے انسانی کا اصل مصرف یہ ہے کہ وہ اطاعتِ الٰہی میں خرچ ہوں اور جو اعضاء اس میں خرچ نہ ہوں

ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

ذِکْرَی الدَّارِ کے لفظی معنی ہیں ''گھر کی یاد'' اور ''گھر'' سے مراد آخرت ہے۔ آخرت کے بجائے یہ لفظ استعمال کر کے تنبیہ کر دی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اصلی گھر آخرت ہی کو سمجھنا چاہئیے اور اسی کی فکر کو اپنے افکار و اعمال کی بنیاد بنانا چاہئیے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فکرِ آخرت انسان کو فکری اور عملی قوت کو اور زیادہ جلا بخشتی ہے۔ بعض ملحدین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ فکرِ آخرت انسان کی قوتوں کو کُند کر دیتی ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد ہفتم)

۲) فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًاo (النساء۔ ۴۱)

ترجمہ: بھلا اس وقت لوگوں کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک ایک احوال بتانے والا طلب کریں گے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان لوگوں پر یعنی آپ کی امت پر بطورِ گواہ کے لائیں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پڑھو، میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ پر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب بس کرو، اور جب میں نے آپ کی طرف نظر

اٹھا کر دیکھا تو آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ سے میدانِ آخرت کے استحضار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کفارِ قریش کی توبیخ بھی مقصود ہے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدانِ حشر میں ہر ہر امت کا نبی اپنی امت کے نیک و بداعمال پر بطورِ گواہ پیش ہوگا اور آپ ﷺ بھی اپنی امت پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے اور بطورِ خاص ان کفار و مشرکین کے متعلق خدائی عدالت میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی تکذیب کی اور اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان نہ لائے۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ هٰؤُلَآءِ کا اشارہ قیامت تک آنے والی پوری امت کی طرف ہے۔ گذشتہ امتوں کے انبیاء اپنی اپنی امتوں کے گواہ بن کر پیش ہوں گے اور آپ ﷺ بھی اپنی امت کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

(ملخصاً معارف القرآن۔ جلد دوم)

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے فریضۂ رسالت کی ذمہ داری کے ساتھ امت کی بدحالی نے آپ کو اشک زار ہونے پر مجبور کیا۔

یوسفؑ کی عصمت:

سدی اور ابنِ اسحٰق وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ خلوت میں زلیخا نے یوسفؑ کو مائل کرنے کے لئے ان کے حسن و جمال کی تعریف شروع کی، کہا کہ تمہارے بال

کس قدر حسین ہیں، یوسفؑ نے فرمایا کہ یہ بال موت کے بعد سب سے پہلے میرے جسم سے علیحدہ ہوجائیں گے، پھر کہا تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں تو فرمایا موت کے بعد یہ سب پانی ہوکر میرے چہرہ پر بہہ جائیں گی پھر کہا تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے تو فرمایا کہ یہ سب مٹی کی غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فکرِ آخرت آپ پر اس طرح مسلط کردی کہ نوجوانی کے عالم میں دنیا کی ساری لذتیں ان کے سامنے گرد ہوگئیں۔ صحیح ہے کہ فکرِ آخرت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ہر جگہ ہر شئے سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد پنجم)

نبی ﷺ کی دعوت کا اصل محور آخرت تھا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ كَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا (مسلم) وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْهِ قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَیْئًا وَیَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَیْئًا یَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ

اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِىْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِىْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِىْ لَا اُغْنِىْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ''(اپنے قریب کے کنبہ والوں کو ڈرایئے) تو نبی کریم ﷺ نے قریش کے لوگوں کو بلایا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے ہر عام و خاص کو خطاب فرمایا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا اۓ کعب بن لوی کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اۓ مرہ ابن کعب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے عبد شمس کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے عبد مناف کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے ہاشم کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے عبدالمطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا، اس لئے کہ میں تمہارے حق میں اللہ کی طرف سے از قسم عذاب کسی چیز کا مالک نہیں ہوں البتہ مجھ پر تمہاری قرابت کا حق ہے جس کو میں اس کی تری کے ساتھ تر کرتا رہوں گا۔ (مسلم) متفق علیہ روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اے قریش کے گروہ! اپنے آپ کو خرید لو، میں تم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ بھی دور نہیں کرسکتا، اے عبد مناف کے بیٹو! میں تم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ بھی دور نہیں کرسکتا، اے عباس ابن عبدالمطلب! میں آپ سے اللہ کے عذاب

میں سے کچھ دور نہیں کر سکتا اور اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں آپ سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ دور نہیں کر سکتا اور اے جان پدر فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو کچھ تو چاہے مانگ لے لیکن اللہ کے کسی عذاب سے میں تجھ کو نہیں بچا سکتا۔

آخرت کے یقین کے بغیر نہ کوئی شخص ایمان لا سکتا ہے اور نہ عمل کر سکتا ہے:

۱) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَلِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَهُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ○ (الانعام۔۹۲)

ترجمہ: اور یہ قرآن بھی ایک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی بابرکت ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس لئے نازل کی تاکہ آپ اہلِ مکہ اور مکہ کے چاروں طرف بسنے والوں کو ڈرا دیں اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔

۲) وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ○ (الانعام۔۹۲)

ترجمہ: (ہر نبی کے دشمن شیاطین وانس ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں القاء کرتے ہیں) اور اس کی طرف انہی لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اس پر راضی ہوں اور جو برائیاں وہ کرتے ہیں کرتے رہیں۔

۳) وَلَا تَتَّبِعُ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَھُمْ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ o (الانعام۔۱۵۰)

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیئے جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر درجہ دیتے ہیں۔

۴) اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ کٰفِرُوْنَ o (الاعراف۔۴۵)

ترجمہ: جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ اللہ کی راہ کو ٹیڑھا ثابت کریں اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

۵) اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ o (النحل۔۲۲)

ترجمہ: تمہارا معبود برحق تو یکتا معبود ہے سو جو لوگ آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتے ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بڑے سرکش ہیں۔

۶) وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ o (المومنون۔۷۴)

ترجمہ: اور ان لوگوں کا جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے یہ حال ہے کہ اس سیدھے راستے سے ہٹے جا رہے ہیں۔

۷) اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ o اُولٰٓئِکَ

اَلَّذِیۡنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ○ (النمل۔۴،۵)

ترجمہ: بلاشبہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما کردیئے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا میں بھی بدترین سزا ہے اور یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۸) اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِی الۡعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ○ (سبا۔۸)

ترجمہ: معلوم نہیں اس شخص نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کچھ جنون ہوگیا ہے یہ کوئی بات بھی نہیں بلکہ جولوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ خطرناک عذاب اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

۹) وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ○ (الزمر۔۴۵)

ترجمہ: اور تنہا صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو جولوگ آخرت کا یقین دل میں نہیں رکھتے ان کے دل سخت کبیدہ اور متنفر ہو جاتے ہیں اور جہاں اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا گیا تو یہ لوگ اسی وقت خوش ہو جاتے ہیں۔

۱۰) وَمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِیَ الۡحَیَوَانُ لَوۡ كَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ○ (العنکبوت۔۶۴)

ترجمہ: اور یہ دنیا کی زندگی تو محض جی کا بہلانا اور ایک کھیل ہے اور بے شک حقیقی زندگی تو عالمِ آخرت ہی کی زندگی ہے کاش یہ لوگ اتنی بات سمجھتے۔

عقیدۂ آخرت کے تعلق سے جو آیات واحادیث پیش کی گئی ہیں کان لگا کر سننے والے اور سمجھنے والے لوگوں کے لئے کافی سے زیادہ ہیں کہ ان کے اندر فکرِ آخرت پیدا ہو اور وہ عمل کے لئے متحرک ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر اور آخرت ہی کے لئے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۷) انسانی علم محدود ہے

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ٥ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِہٖ وَلَمَّا یَاۡتِہِمۡ تَاۡوِیۡلُہٗ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الظّٰلِمِیۡنَ٥ (یونس۔۳۹)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کی حقیقت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکے اور ابھی تک اس کی تکذیب کا مآل وانجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر قابو نہ پا سکے اور جس کی حقیقت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکے اور ابھی تکذیب کا مآل وانجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا اسی طرح جو منکران سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح تکذیب کا طریقہ اختیار کیا تھا جس طرح یہ کر رہے ہیں لہٰذا اے پیغمبر آپ دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا یعنی مطالبِ قرآنی اور مفاہیمِ قرآنی پر قابو نہیں

پا سکتے تو جھٹلانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان مواعید کا انتظار کر رہے ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ وہ انجام ابھی ان کے سامنے نہیں آیا اس لئے جھٹلانا شروع کر دیا بہر حال ہر زمانے کے کفار کی جو ذہنیت رہی ہے وہی ان کی بھی ہے اور جو ان ظالموں کا حشر ہوا وہی ان کا بھی ہونے والا ہے خواہ سب کا نہ ہو کیونکہ بعض ایمان بھی لے آئیں گے جیسا کہ آگے کی آیت میں ارشاد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حقیقت نہیں آئی یعنی جو وعدہ ہے اس قرآن میں وہ ظاہر نہیں ہوا۔ (کشف الرحمٰن)

۲) وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ٥ حَتّٰى إِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (النمل۔۸۴)

ترجمہ: اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جس دن ہم ہر ایک امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے پھر وہ روکے جائیں گے یعنی اکٹھا کرنے کی غرض سے۔ یہاں تک کہ جب وہ سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے میری آیتوں کی حقیقت کا پوری طرح احاطہ بھی نہیں کیا تھا ورنہ بتاؤ اور کیا کرتے تھے؟

اور وہ دن ان کو یاد دلایئے جس دن ہم ہر ایک امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکذیب کیا کرتے تھے

پھر وہ روکے جائیں گے یعنی اُمم سابقہ میں سے اور اس امت میں سے پھر ان کو حساب کے موقف میں لے جایا جائے گا چونکہ کثرت ہوگی اس لئے آگے والوں کو روکا جائے گا تاکہ پیچھے والے بھی آجائیں اور سب کو اکٹھا کرکے لے جایا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ہر گناہ کرنے والوں کا ایک جتھا ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے سرداروں اور متبوعین کو آگے رکھا جائے گا اور باقی اتباع کرنے والے پیچھے ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ سب حاضر ہو جائیں گے اور حساب کے موقف میں آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے بات کی حقیقت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کیا تھا ورنہ بتاؤ اور کیا کرتے رہے یعنی نہ تو میری آیات کو سمجھا نہ ان کی حقیقت کا باعتبار علم احاطہ کیا بلکہ سنتے ہی تکذیب کرنے لگے۔

۳) فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (المومن۔۸۳)

ترجمہ: اور جب ان امم سابقہ کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے اس دنیوی علم پر ناز کرتے رہے جو ان کو حاصل تھا بالآخر جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی عذاب ان پر آپڑا۔

پھر جب ان امم سابقہ کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے اس دنیوی علم و ہنر پر ناز کرتے رہے جو ان کو حاصل تھا اور جس عذاب کا

وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی عذاب نے ان کو گھیر لیا اور ان کے کفر وشرک کا وبال ان پر آپڑا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور جس سے وہ تمسخر کرتے تھے یعنی وہ اپنے جس دنیوی علم پر اتراتے تھے اور جس کے بل بوتے پر عذاب الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے ان کو اسی عذاب نے گھیر لیا اور آخر کار تباہ ہو گئے۔ (کشف الرحمٰن)

۴) اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰیؕ (النجم۔۲۳)

ترجمہ: یہ بت کچھ نہیں مگر چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ثبوت پر کوئی دلیل نازل نہیں کی یہ لوگ محض اپنے بے بنیاد خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ان کے رب کی جانب سے ان کے پاس صحیح ہدایت آچکی ہے۔

یہ اصنام کچھ نہیں مگر چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ثبوت پر کوئی دلیل وحجت نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کی طرف سے نبی کو مبعوث کرنے اور کتاب نازل کرنے کے باوجود ان کی حالت یہ ہے کہ چند من گھڑت نام جو انہوں نے اور ان کے بڑوں نے دیوی دیوتاؤں کے وضع کر رکھے ہیں جن کے لئے آسمان سے کوئی دلیل نہیں اتری اور اللہ نے کوئی حجت نازل نہیں فرمائی، ان مفروضہ بتوں کی پرستش کئے جاتے ہیں۔ یہ پیروی نہیں کرتے

مگر ظن (اٹکل، تخمینہ اور گمانِ فساد) کی اور اپنے نفس اور جی کی خواہش کی۔

۵) اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ۝ وَمَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ۝

(النجم۔۲۸،۲۷)

ترجمہ: جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو عورتوں کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں یہ لوگ محض بے بنیاد خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور یقینی بات کے مقابلہ میں بے بنیاد خیالات ذرا بھی کام نہیں آتے۔

جولوگ فرشتوں کے مونث نام رکھتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ لوگ محض بے بنیاد اور بے اصل خیالات اور صرف اٹکل کی پیروی کرتے ہیں اور بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ اور ثابتہ کے مقابلے میں ظن (اٹکل اور اوہامِ فاسدہ) ذرا بھی کارآمد اور مفید نہیں ہو سکتے یعنی ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نام بھی عورتوں اور لڑکیوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ ان کے ایسا کرنے کی کوئی سند نہیں۔ یہ لوگ محض اٹکل کی باتوں پر چلتے ہیں اور اوہام کی باتیں کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ امرِ حق کے مقابلہ میں بے اصل اوہام اور خیالات اور اٹکل جن کی کوئی سند نہ ہو کچھ کام نہیں آسکتے۔ (کشف الرحمٰن)

انسان کے پاس جو علم کے ذرائع ہیں وہ محدود ہیں اور وہ حقائقِ زندگی

تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔انسان عام طور پر تین ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے۔
۱)عمرانیات، ۲)فلسفہ، ۳)سائنس۔

انسانی زندگی کے اہم سوالات:

انسان اس دنیا میں کیوں پیدا ہوا ہے، کیوں جی رہا ہے،اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اوراس دنیا سے اس کا کیا تعلق ہے اورانسانی زندگی کا انجام کیا ہونے والا ہے،موت کے بعد کوئی اور عالم ہے یا نہیں ہے؟

۱) انسان کے پاس علم کے جو ذرائع ہیں ان میں سے عمرانیات (تاریخِ عالم) ایک ہے۔تاریخ دنیا میں ہونے والے واقعات پر مشتمل ہے۔پہلے صحیح واقعات کا اندراج ضروری ہے۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے مختلف لوگ الگ الگ انداز سے پیش کرتے ہیں۔اہم سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی تاریخ محفوظ ہے،اور جو کچھ لکھا گیا وہ قابلِ اعتماد بھی ہے؟ اس کا صحیح جواب دینا مشکل ہے۔تاریخ لکھے جانے سے پہلے بھی کئی واقعات ہو چکے ہیں جو اندراج ہونے سے رہ گئے ہیں۔پھر اصل مسئلہ ان تاریخی واقعات سے نتائج اخذ کرنا ہے۔اس سے نتائج کون اخذ کرے، کانٹ، ہیگل، مارکس، ڈارون؟؟؟ ہر شخص اپنے انداز سے نتائج اخذ کرتا ہے کسی کو بھی صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲) فلسفہ عقل کے تیر تکے چلانے کا نام ہے۔فلسفی ادنیٰ معقولات اور ابتدائی معلومات کی منزل سے آگے نہیں بڑھتا۔مولانا روم فرماتے ہیں۔

فلسفی گوید ز معقولات دون　　عقل از دہلیز می ناید برون

فلسفی خود اپنی عقل و فکر کا مارا ہوا ہے۔ وہ ایسا بدقسمت مسافر ہے جس کی پشت منزل کی طرف ہے اور رخ صحرا کی طرف ہے، اس لئے وہ جس قدر تیز قدم بڑھاتا ہے حصولِ مقصد سے دور ہوجاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کس فلسفی کے نظریات کو قبول کریں؛ ارسطو، افلاطون، جالینوس یا جدید فلاسفہ؟ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب بات فرمائی ہے ؎

فلسفی کو بحث میں خدا ملتا نہیں　　ڈور خود سلجھا رہا ہے سرا ملتا نہیں

ہر چند کہ فلسفی کی چناں وچنیں رہی　　مگر خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

۳) سائنس کو یہ فخر ہے کہ وہ تحقیق اور ریسرچ کا شعبہ ہے مگر یہ اب تک اپنی آخری منزل کو نہیں پہنچا۔ پہلے یہ معلوم ہوا کہ کسی شئے کا سب سے چھوٹا ناقابلِ تقسیم حصہ مولکیول (Molecule)، پھر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اٹم (Atom) سب سے چھوٹا حصہ ہے۔ جدید ریسرچ نے اٹم کو بھی تین حصوں میں تقسیم کردیا الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران (Electron, Proton and Neutron)۔

سائنس کا سب سے بڑا نقص:

سائنس کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ محسوسات یعنی حواسِ خمسہ سے معلومات حاصل کرکے اسی پر انحصار کرتے ہوئے اپنی عقل سے نتائج اخذ کرتی ہے اور سائنس کا دائرہ اسی میں محدود ہے۔ انسانی محسوسات کے وراء بھی اور انسانی عقل

کے اوپر بھی بہت ساری چیزیں ہیں جن کا سائنس کے ماہرین ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال حواسِ خمسہ اور عقلِ انسانی محدود ہے اس لئے سائنس کا دائرہ بھی محدود ہو گیا اور جو چیزیں ماورائے عقل ہیں مگر غیر عقلی (Irrational) نہیں ہیں۔اس پر کلام کرنے کا سائنس کو کوئی حق نہیں ہے۔شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا ۔۔۔ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا ۔۔۔ وہ زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا کہ ۔۔۔ آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا

علم کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے:

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں اس کا وجود اور اس کی وحدانیت کے بعد اس کا علم اور قدرت اہم صفات ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی علم کا حقیقی سرچشمہ ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنے علم میں گھیر رکھا ہے۔

۱) اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا○
(التحریم۔۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح زمین کو بھی پیدا کیا، ان سب آسمان وزمین میں اسی کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے اس لئے

بتا دیا گیا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر پوری طرح قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

۲) قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ٥ (سبا۔۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں آئے گی قسم ہے میرے رب کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی وہ میرا رب تمام مغیبات (غیب کی باتوں) کا جاننے والا ہے ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے غائب نہیں خواہ وہ آسمانوں میں ہو اور خواہ وہ زمین میں ہو اور نہ ذرہ کی مقدار سے کوئی چیز چھوٹی ہے اور نہ اس سے بڑی ہے مگر یہ کہ وہ کتابِ مبین یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق لوحِ محفوظ میں تمام واقعات لکھا دیئے ہیں۔ انسانوں کو حقیقت سے واقف کرنے کے لئے انسانوں ہی میں سے چن کر انبیائے کرامؑ کا سلسلہ چلایا اور ان پر وحی کے ذریعہ سے حقائق کا علم نازل کرتا رہا۔ حضرت آدمؑ پہلے انسان بھی ہیں اور پہلے نبی بھی ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی وہ اللہ کے علم کے مطابق ہے اور یہ وحی تبدیل ہونے والی نہیں ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی اور زندگی کے حقائق کو جاننے کا یقینی ذریعہ اس کا نازل کردہ کلام ''قرآن مجید'' ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاO (النساء۔۱۶۶)

ترجمہ: یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں مگر واقعہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی جانب نازل کی ہے اور نازل بھی اپنے علمِ خاص کے ساتھ کی ہے آپ کی نبوت پر شہادت دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور گواہی کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ O لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍO (حم السجدہ۔۴۲،۴۱)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کے ماننے سے جب کہ وہ قرآن ان کے پاس آیا انکار کیا تو انہوں نے سخت کوتاہی کی حالانکہ وہ قرآن ایک بڑی باوقعت کتاب ہے۔ جس میں باطل کو مطلق رسائی نہیں کوئی غلط بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے نہ پیچھے سے وہ اس کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو کمال حکمت کا مالک اور ہر قسم کی حمد و ثناء کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح علم کے سرچشمہ سے تعلق جوڑ کر حقائق کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۸) اتحادِ ملت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ○ (آل عمران ۔۱۰۳،۱۰۲)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اللہ کے اس احسان کو جو تمہارے اوپر اس نے کیا ہے یاد رکھو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کر دی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اس

گڑھے سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دلائل صاف و واضح طور پر بیان کرتا ہے تا کہ تم لوگ راہِ راست پر قائم رہو۔

آیات کا شانِ نزول:

انصارِ مدینہ کے دو خاندانوں اَوس وخَزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا سی بات پر لڑائی اور خون ریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ''بعاث'' کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی صلعم کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلعم کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیئے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل کر بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شماس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بعاث کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اس نے مناسب موقع پا کر بعاث کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ اشعار کا سننا تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں۔ زبانی جنگ سے گذر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم صلعم جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا اے گروہِ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں،

پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی، اسلام سے مشرف کیا، جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرما دیا، کیا ان ہی کفریات کی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو جن سے نکل کر آئے تھے؟ اس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اوس وخزرج نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئیے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا ڈر پورا ہونا چاہئیے کہ اپنے مقدور بھر پرہیزگاری اور تقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگا دیں۔ تم کو چاہئیے کہ انہیں مایوس کردو اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہئیے۔ یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے۔ یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہوسکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابلِ اختلال ہوجائے گی۔ قرآنِ کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔

(تفسیرِ عثمانی)

مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے دو اصول:

۱) اجتماعی قوت کا پہلا اصول اللہ سے ایسا ڈرنا جیسا ڈرنے کا حق ہے۔

۲) دوسرا اصول باہمی اتفاق واتحاد ہے۔

اتحاد کا مطلوب ہونا:

اتحاد ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود و مطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے کے ہوں، کسی مذہب و مشرب سے تعلق رکھتے ہوں سب کا اتفاق ہے، اس میں دو رائیں ہونے کا امکان ہی نہیں۔ دنیا میں شاید کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلے جو لڑائی جھگڑے کو بذاتہٖ مفید اور بہتر جانتا ہو۔ اس لئے دنیا کی ہر جماعت، ہر پارٹی لوگوں کو متفق کرنے کی ہی دعوت دیتی ہیں لیکن دنیا کے حالات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اتفاق کے مفید اور ضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود ہو یہ رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں، پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے پھر ہر فرقہ کے اندر فرقے اور پارٹی کے اندر پارٹیوں کا لامحدود سلسلہ ایسا ہے کہ صحیح معنی میں دو آدمیوں کا اتحاد و اتفاق بھی ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ وقتی اغراض کے تحت چند آدمی کسی بات پر اتفاق کرتے ہیں۔ اغراض پوری ہو جائیں یا ان میں ناکامی ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اتفاق ختم ہو جاتا ہے بلکہ افتراق اور عداوتوں کی نوبت آتی ہے۔

غور کیا جائے تو اس کا سبب یہ معلوم ہوگا کہ ہر گروہ و ہر فرقہ اور ہر شخص لوگوں کو اپنے خودساختہ پروگرام پر متحد و متفق کرنا چاہتا ہے اور جب کہ دوسرے لوگ خود

اپنا بنایا ہوا کوئی نظام و پروگرام رکھتے ہوں تو وہ ان سے متفق ہونے کی بجائے ان کو اپنے پروگرام پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔اس لئے لازمی طور پر ہر دعوتِ اتحاد کا نتیجہ جماعتوں اور افراد کا افتراق و انتشار نکلتا ہے،اور اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہاتھ اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لئے قرآنِ حکیم نے صرف اتحاد و اتفاق اور تنظیم و اجتماع کا وعظ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا ایک ایسا منصفانہ و عادلانہ اصول بھی بتلا دیا جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہئیے ،وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتِ مذکورہ میں افتراق کو مٹانے اور اتحاد کو قائم رکھنے کا نسخۂ اکسیر اس طرح بتایا گیا ہے۔ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا (یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھامو)۔اللہ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبۡلُ اللّٰهِ الۡمَمۡدُوۡدِ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ (یعنی کتاب اللہ، اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے)۔زید بن ارقمؓ کی روایت میں حبل اللہ ھو القرآن کے الفاظ آئے ہیں۔

محاورۂ عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شئے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔قرآن کو یا دین کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری

طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کے اس ایک جملہ میں حکیمانہ اصول بتائے گئے، ایک یہ کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظامِ حیات یعنی قرآن پر مضبوطی سے عامل ہو۔ دوسرے یہ کہ سب مسلمان مل کر اس پر عمل کریں، جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ مسلمان سب باہم متفق و متحد اور منظّم ہو جائیں جیسے کوئی جماعت ایک رسی کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسمِ واحد بن جاتی ہے۔ قرآنِ کریم نے ایک دوسری آیت میں اس کو اور زیادہ واضح اس طرح بیان فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں دوستی و محبت پیدا فرما دیتا ہے)۔

پھر اس میں ایک لطیف تمثیل بھی ہے کہ مسلمان جب اللہ کی کتاب سے اعتصام کر رہے ہوں تو اس کی مثال اس حالت جیسی ہے جو کسی بلندی پر چڑھتے وقت ایک مضبوط رسی کو پکڑ لیں اور ہلاکت سے محفوظ رہیں لہٰذا اشارہ فرمایا کہ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابلِ تسخیر ہو جائے گی۔ قرآنِ کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیاتِ تازہ حاصل کر لیتی ہے اور اس سے ہٹ کر ان کی قومی و اجتماعی زندگی تو تباہ ہو ہی جائے گی اور اس کے بعد انفرادی زندگی کی بھی

کوئی خیر نہیں۔ (معارف القرآن۔جلد دوم)

تمسک بالقرآن کا مطلب:

تمسك بالقرآن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کو اپنے آراء اور اہواء کا تختۂ مشق بنالیا جائے بلکہ قرآنِ کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیثِ صحیحہ اور سلفِ صالحین کی متفقہ تصریحات کے مطابق ہو اور اس کے خلاف نہ ہو۔

اتفاق کا سلبی پہلو:

مسلمانوں میں اتفاق کے ایجابی پہلو کی وضاحت کے بعد فرمایا وَلَا تَفَرَّقُوْا یعنی باہم نااتفاقی نہ کرو۔قرآنِ حکیم کا یہ حکیمانہ انداز ہے کہ وہ جہاں ایجابی پہلو واضح کرتا ہے وہیں سلبی پہلو سے مخالف چیزوں سے منع فرماتا ہے۔چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو اور تم دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ راستے تم کو خدا کے راستے سے جدا کردیں گے) اس آیت میں بھی صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی تلقین ہے اور اپنی خواہشات کے زیرِ اثر خودساختہ راستوں پر چلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔نااتفاقی کسی قوم کی ہلاکت کا سب سے پہلا اور آخری سبب ہے۔اس لئے قرآنِ حکیم نے بار بار مختلف اسالیب میں اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ایک دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ یعنی جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے

ڈالے اور مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے آپ ﷺ کا ان سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں۔

جاننا چاہئیے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ میں جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اس سے حق پر متفق ہونا مراد ہے اور لَا تَفَرَّقُوْا میں جس تفریق کی ممانعت کی گئی ہے اس سے تفریق عن الحق مراد ہے یعنی حق سے جدا مت ہونا۔ چوروں اور اوباشوں میں بھی اتفاق ہوتا ہے مگر وہ مطلوب نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند۔ پسندیدہ چیزیں یہ ہیں: اول یہ کہ تم عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامو اور نااتفاقی سے بچو۔ سوم یہ کہ اپنے حکام اور اولوا الامر کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔

اور وہ تین چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں یہ ہیں:

(۱) بے ضرورت قیل وقال اور بحث ومباحثہ، (۲) بلا ضرورت کسی سے سوال کرنا، (۳) اضاعتِ مال۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا ہر اختلاف مذموم ہے یا کوئی اختلاف غیر مذموم بھی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے بلکہ مذموم وہ اختلاف ہے کہ جس میں اپنی اہواء اور خواہشات کی بناء پر قرآن سے دور رہ کر سوچا جائے لیکن اگر

قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بناء پر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ صحابہ و تابعین اور ائمۂ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا اور اسی اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا۔ ہاں اگر انہی فروعی بحثوں کو اصل دین قرار دیا جائے اور ان میں اختلاف کو جنگ و جدل اور سبّ و شتم کا ذریعہ بنالیا جائے تو یہ بھی مذموم ہے۔

مسلمانوں کا باہمی اتحاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر موقوف ہے:

قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوا، وہ یہ کہ دلوں کا مالک درحقیقت اللہ جل شانہٗ ہے، دلوں کے اندر محبت یا نفرت پیدا کرنا اسی کا کام ہے۔ کسی جماعت کے قلوب میں باہمی محبت اور مودّت پیدا کرنا خالص انعامِ خداوندی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام صرف اس کی اطاعت وفرمانبرداری ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ معصیت ونافرمانی کے ساتھ یہ انعام نہیں مل سکتا۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اگر مسلمان مستحکم تنظیم واتحاد چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ فقط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا شعار بنالیں۔ اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لئے حقائق واضح

کر کے بیان فرماتے ہیں تا کہ تم لوگ صحیح راہ پر رہو۔ (معارف القرآن - جلد دوم)

حضراتِ انبیائے کرامؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے باطل پرست ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور ہر جگہ دو دو مذہب اور دو دو فریق بن گئے کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرات انبیائے کرامؑ نے نا اتفاقی پھیلائی۔ حضراتِ انبیاءؑ تو اتفاق ہی کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے مگر مقصود یہ تھا کہ باطل کو چھوڑ کر حق پر متفق ہو جائیں مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کیا۔ ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم سمجھتی ہے لیکن اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ قانونِ حکومت کے ساتھ اتفاق کرو۔ قانون کے خلاف نہ کرو عدالتوں کا قیام اسی لئے ہے کہ اہلِ حق کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو سزا دی جائے۔ تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانونِ حکومت کے خلاف کرے اور جو شخص قانونِ حکومت کے مطابق چل رہا ہو اس کو نا اتفاقی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرے مال یا آبرو پر یہ زیادتی کی ہے تو جج کو یہ حق نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو یہ کہہ کر عدالت سے باہر نکال دے کہ تم دونوں ملک میں تفرقہ پھیلاتے ہو یا دونوں کی زبان بندی کا حکم دے دے عدالت اگر ایسا حکم دے دے تو یہ عدل نہ ہو گا۔ خیر سے اگر عدالت کا جج کوئی مصلح قوم اور لیڈر بھی ہو تو بحیثیتِ جج ہونے کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ اختلاف نہ کرو متفق ہو کر رہو، تم لوگ میرا دماغ پریشان کرنے آئے ہو اس لئے میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء کو سمجھو کہ

وہ وکلاء کی طرح قانونِ شریعت کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور ملحدین اور بے دین قانونِ شریعت میں ایسی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں جس سے قانونِ شریعت ان کی خواہشوں اور غرضوں کے مطابق بن جائے۔ علمائے دین جب ان ملحدین کے ردّ اور جواب کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے بے عقل یہ کہتے ہیں کہ علماء تفرقہ اور نااتفاقی پھیلاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ جو شخص قانونِ حکومت کے ایسے عجیب وغریب معنی بیان کرے جواب تک وزراء اور حکام اور وکلاء نے نہ سمجھے ہوں ایسا شخص حکومت کی نظر میں چالاک اور عیار ہے اور مجرم ہے اور جو شخص قانون کا وہ مطلب بیان کرے کہ جس معنی کی بناء پر عدالتوں کے ججوں نے فیصلے کئے ہیں وہ شخص نااتفاقی اور تفرقہ کا مجرم نہیں بلکہ وہ حق کے ساتھ متفق ہے۔

حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے اور میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے۔ سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہوگا جو جہنم سے محفوظ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ (وہ فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا)۔

اہل سنت والجماعت کو اہل سنت والجماعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ پر ہے اور جماعتِ صحابہ کے طریقہ پر بھی ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کا راستہ اور طریقہ اللہ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں اسی طرح

صحابہ کرامؓ کا راستہ اور طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں۔ صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ نے قائم کیا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اس پر چلے۔ (معارف القرآن جلد دوم۔ادریسی)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو تفرقہ اور اختلاف سے بچ کر کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۹) دین کے حقائق کو عجیب کہنا منکرین کا شیوہ رہا ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ٥ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ٥ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ٥ وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَ هُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذّٰبٌ ٥ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ٥ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ٥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ ٥ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ٥ (ص۔۸-۱)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: ص، قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت سے لبریز ہے۔ وہ بات جو کافر پیغمبر کی نسبت کہہ رہے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کفار اپنے گھمنڈ اور مخالفت میں مبتلا ہیں۔ ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر وہ بہت کچھ چیختے پکارتے رہے لیکن وہ خلاصی کا وقت نہیں تھا۔ اور کافروں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہی میں

سے ان کے پاس ایک ڈرانے والا آیا اس پر یہ کافر کہنے لگے یہ شخص تو ایک جادوگر ہے جھوٹا۔ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود کر دیا واقعی یہ معبودوں کی کاٹ چھانٹ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔ اور رؤسائے قریش یہ کہتے ہوئے مجلس سے چل کھڑے ہوئے کہ چلو جی چلو اپنے اپنے معبودوں پر قائم رہو یقیناً یہ بات جو یہ شخص کہہ رہا ہے اس میں ضرور اس کی کوئی غرض ہے۔ ہم نے یہ ایک معبود والی بات اپنے پچھلے دین میں کبھی سنی نہیں، کچھ نہیں یہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔ کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلامِ الٰہی نازل کیا گیا ہے۔ کافروں کے اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ یہ کفار میرے قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔

دین کے بنیادی حقائق توحیدِ باری تعالیٰ، بشریتِ انبیاء اور بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ حساب کتاب کے لئے زندہ کیا جانا)، کو منکرین عجیب وغریب خیالات کہہ کر ایک لخت انکار کر دیتے تھے، سننے اور سمجھنے کے لئے تیار نہیں رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے اور ان کی تردید فرمائی ہے۔

انبیائے کرامؑ کے بارے میں اعتراض تھا کہ ہمارے جیسا بشر نبی کیسے بن گیا؟ سورۂ تغابن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا

فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَی اللّٰہُ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ o زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ o

(التغابن۔ ۷-۵)

ترجمہ: کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جواب سے پہلے کفر کے مرتکب ہو چکے ہیں پھر انہوں نے اپنے اعمال کے وبال کا مزہ چکھا اور ان کو ابھی اور دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب اس لئے ہے کہ ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لے کر آتے رہے اور یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے غرض انہوں نے انکار کیا اور روگردانی کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی پروا نہ کی اور اللہ بے نیاز اور جملہ صفاتِ حمیدہ سے متصف ہے۔ منکر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے اس سب سے تم کو آگاہ کیا جائے گا اور یہ بات اللہ پر بالکل آسان ہے۔

انبیائے کرامؑ ہمیشہ اپنی بشریت کا اعتراف کرتے رہے:

قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ o قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَمَا کَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ o (ابراہیم۔۱۱،۱۰)

ترجمہ: (منکرین) نے (رسولوں سے) کہا کہ سوائے اس کے نہیں کہ تم بھی ہمارے جیسے ایک بشر ہو تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے روک دو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے سو اب تم کوئی صاف اور صریح معجزہ پیش کرو۔ ان کے رسولوں نے کہا بے شک ہم بھی تمہارے جیسے ہی بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی معجزہ تمہارے سامنے پیش کرسکیں اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا اپنی بشریت کا اعتراف:

۱) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۝

(الکہف۔۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک بشر ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ میری طرف یہ وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا معبودِ حقیقی صرف ایک ہی معبود ہے تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

۲) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ۝ (حم سجدہ۔۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک بشر ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ میری طرف یہ وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا معبودِ حقیقی صرف ایک ہی معبود ہے پس تم یکسوئی سے اس کی طرف متوجہ رہو اور اس سے مغفرت طلب کرو اور مشرکین کے لئے بڑی خرابی ہے۔

جو آیات بیان کے شروع میں تلاوت کی گئی ہیں اس کے تعلق سے عرض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے منکرین یوں کہتے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ یعنی اور لیجئے! اتنے بے شمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہاں کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سرِ عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سردارانِ قریش نے ابو طالب

سے آکر حضرت صلعم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں آپ ان کو سمجھایئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہوجائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہوکر بولے کہ بتلایئے وہ کلمہ کیا ہے، آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے۔ ''لا الٰہ الا اللہ'' یہ سنتے ہی طیش میں آکر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا، چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت میں جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہوجائے۔ ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔ (تفسیرِ عثمانی)

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝ (ق۔۵-۱)

ترجمہ: ق، قسم ہے قرآن مجید کی۔ (کہ آپ ﷺ ہمارے رسول ہیں مگر یہ کافر یقین

نہیں کرتے) بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا اس پر کافر کہنے لگے یہ ایک عجیب سی بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور مر کر خاک ہو گئے تو کیا پھر لوٹ کر زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید از عقل ہے۔ بے شک ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو زمین ان میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب سچی بات ان کو پہنچی تو وہ اس کی تکذیب کرنے لگے غرض یہ لوگ تردد اور اضطراب کی حالت میں مبتلا ہیں۔

منکرین کے تعجب کی عقلی تردید:

توحید کی عقلی دلیل:

لَوۡ کَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَهُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ۝ (الانبیاء۔۲۳،۲۲)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کچھ اور بھی معبود ہوتے تو یقیناً دونوں زمین آسمان کبھی کے درہم برہم ہو چکے ہوتے سو اللہ تعالیٰ جو عرش کا مالک ہے وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے اس کے کیئے کی باز پرس نہیں کی جا سکتی اور سب سے باز پرس کی جائے گی۔

تعدد آلہہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھ کو عبادت نام ہے کامل تذلل کا۔ اور

کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم "اللہ" یا "خدا" کہتے ہیں۔ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو۔نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بے کار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔اب اگر فرض کیجئے آسمان وزمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے۔اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات وسفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کامل طور پر سرانجام کر سکتا تھا تو دوسرا بے کار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا، وہ خدا نہ رہا۔اور یا دونوں بالکل مساوی ومتوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجودہ چیز پر زور آزمائی ہونے لگے گی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان

وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہوجاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بے کار یا ناقص وعاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلافِ مفروض ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اس کی مِلک میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں۔ دو خودمختار بادشاہ ایک اقلیم (مُلک) میں نہیں سما سکتے۔ ان کی خودمختاری بھی محض مجازی ہے تو دو مختارِ کل اور قادرِ مطلق خدا ایک قلم رو (سلطنت) میں کیسے شریک ہوسکتے ہیں؟ (تفسیرِ عثمانی)

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی دلیل:

منکرینِ بعث بعد الموت کو دوبارہ پیدا ہونے پر تعجب ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا:

۱) یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (الانبیاء۔۱۰۴)

ترجمہ: وہ دن قابلِ ذکر ہے جس دن ہم آسمان کو اسی طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے ہم نے جس طرح پہلی بار مخلوقات کو پیدا کرنے کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم اس کا دوبارہ اعادہ کریں گے یہ دوبارہ پیدا کرنا ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے ہم اس کو ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

۲) وَهُوَ الَّذِیْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الروم۔۲۷)

ترجمہ: اور وہی ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس پر بہت آسان ہے اور آسمان و زمین میں اسی کی شان سب سے بالاتر ہے اور وہی کمال قوت کمال حکمت کا مالک ہے۔

۳) اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ بَلۡ ھُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ٥ (ق۔۱۵)

ترجمہ: کیا اب ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے ایک شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

انبیاءؑ کی بشریت کی دلیل:

انبیاءؑ چونکہ انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن کر آتے ہیں اور انہیں انسانوں کے لئے ایک نمونہ بن کر پیش ہونا ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی غیر جنس نبی بن کر آتا تو یہ بات قابلِ اعتراض ہوتی۔ چونکہ زمین پر فرشتے نہیں بستے انسان بستے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو نبی بنا کر مبعوث کیا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا اِذۡ جَآءَ ھُمُ الۡھُدٰی اِلَّا اَنۡ قَالُوۡا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا٥ قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡھِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوۡلًا٥ (بنی اسرائیل۔۹۵،۹۴)

ترجمہ: اور جس وقت لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہی ایک بات مانع ہوئی کہ انہوں نے یوں کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ فرما دیجئے اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ وہ اس میں چلتے پھرتے رہتے بستے تو

بے شک ہم ان کے لئے آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

عجیب ترین:

دین کے بنیادی حقائق توحیدِ باری تعالیٰ، بشریتِ انبیاء اور بعث بعد الموت کو منکرین عجیب کہتے تھے۔ عجیب ترین چیز یہ ہے کہ جو فرقہ اہلِ ایمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ بھی دین کے ان حقائق کو شرح صدر سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہے!

۱) ناچیز نے ڈاون گیرے کی ایک بڑی مسجد کے محراب (جس میں امام کھڑا ہوتا ہے) پر یہ لکھا دیکھا ''اَنَا اَحْمَدٌ بِلَا مِیْمٍ '' (میں بغیر میم کا احمد ہوں)۔ جملہ میں جو صرف ونحو کی غلطی ہے اس سے بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔ لیکن جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ میں (اللہ کے رسول ﷺ) بغیر میم کا احمد ہوں یعنی میں احد ہوں یعنی میں ہی اللہ ہوں!!! (نعوذ باللہ!)۔ ایک فرقہ نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات حاضر وناظر (ہر جگہ موجود)، عالم الغیب (غیب کا جاننے والا)، نافع (نفع پہنچانے والا)، ضار (نقصان پہنچانے والا)، قہار (سب پر غالب)، وہاب (دینے والا)، رزاق (رزق دینے والا)، مجیب الدعوات (دعا قبول کرنے والا)، المغنی (غنی کرنے والا)، المعطی (عطا کرنے والا)، المانع (روکنے والا) وغیرہ ہیں ان صفات میں بزرگوں کو اور اولیاء کو شریک کر رکھا ہے۔ مصیبت میں ان کے نعرے ''یا علی المدد''، ''یا غوث دستگیر''، ''یا مشکل کشا'' اور ''یا بندہ نواز''! وغیرہ ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنے سواریوں پر اور مکانوں پر یہی جملے کندہ کرر کھے ہیں!

جب آخرت کا، جنت اور دوزخ کا ذکر ہوتا ہے تو اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ کس نے دیکھا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا، جو کچھ کھانا پینا اور مزہ کرنا ہے یہیں کرلو۔ پھر دوبارہ کوئی آئے گا نہیں!

ایک فرقہ اللہ کے رسول ﷺ کی بشریت کو تسلیم کرنے کو آپ کی توہین سمجھتا ہے۔ اس نے چالینج دے رکھا تھا کہ کون ہے جو اللہ کے رسول کی بشریت کو ثابت کرے، اس کو دس ہزار روپئے انعام دیئے جائیں گے۔ بات پرانی ہے لیکن یہ واقعہ ہماری ریاست میں پیش آیا تھا۔ جہاں ان کا جلسہ تھا ایک بھولا نوجوان انعام حاصل کرنے کی امید سے قرآنِ مترجم لے کر پہنچا تاکہ وہ آیات دکھائے جس میں اللہ کے رسول ﷺ کی بشریت کا ذکر ہے۔ جلسہ شروع ہونے پر یہ قرآن لے کر دکھانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ فوراً چھرا بھوک کے اس کو ختم کر دیا گیا!

مدعیانِ ایمان کا بنیادی عقیدوں سے انکار منکرین کے انکار سے بڑھ کر ہے، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تعجب خیز بات ہوسکتی ہے؟!

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو صحیح عقیدہ کو سمجھنے، اس کو اپنانے اور اسی پر مرتے دم تک قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۰) خیر خواہی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o (التوبہ۔۹۱)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسوله الکریم ونحن علٰی ذٰلك من الشهدین والشکرین۔

ترجمہ: نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے خرچ کرنے کے لئے (زادراہ) تو کچھ حرج (نہیں) بشرطیکہ خیر خواہ ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول کے، نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

کم طاقت اور ناتواں پر اور بیماروں پر جہاد سے رہ جانے میں کچھ گناہ نہیں اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کے لئے سامانِ جہاد پر خرچ کرنے کو میسر نہیں بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول سے خلوص و ہمدردی رکھیں اور خیر خواہی کرتے رہیں ایسے نیکوکاروں پر کسی قسم کے الزام کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر یہ اسلام کی خیر خواہی اور

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں تو ان پر بیٹھ رہنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔

آیت میں جو لفظ ''نصحوا'' آیا ہے جس کا مادہ نصح ہے۔ نصح کے معنی درج ذیل ہیں:

۱) نصح قلبہ (دل کا کھوٹ سے پاک ہونا)، ۲) نصح الشیٔ (خالص اور صاف کرنا)، ۳) نصح لفلان (کسی سے سچا تعلق رکھنا)، ۴) نصح لہ المشورۃ (کسی کو مخلصانہ رائے دینا)، ۵) نصح فلانا ولہ (کسی کے ساتھ ہمدردی کرنا)، ٦) نصح الثوب (کپڑے کی عمدہ سلائی کرنا)، ۷) نصح شراب (مشروب پی کر سیر ہو جانا)۔

(القاموس الوحید)

نصیحت ایک جامع لفظ ہے۔ اس کا مفہوم دل کے اخلاص کے ساتھ کسی شخص یا کسی چیز کے بارے میں تمام بھلائیاں کر دینا ہے۔

عَنْ تَمِیْمٍ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ (مسلم)

ترجمہ: حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین نصیحت ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ہم نے (یعنی صحابہؓ نے) پوچھا کہ یہ نصیحت اور خیر خواہی کس کے لئے ہے اور کس کے حق میں کرنی چاہیئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے لئے، اللہ کی کتاب کے لئے، مسلمانوں کے اماموں (یعنی اسلامی

حکومت کے سربراہوں اور علماء) کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے۔

اللہ کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دین کو قبول کیا جائے، اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ خالص نیت سے اس کی رضا جوئی کے لئے اس کی عبادت اور فرمانبرداری کی جائے، اس کے اوامر کو بجالایا جائے اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، اس کائنات اور مابعدالکائنات پر اس کو بادشاہ علی الاطلاق مانا جائے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی ناشکری سے بچا جائے اور اسی سے محبت کی جائے، جو اس کے فرمانبردار ہیں ان سے محبت رکھی جائے اور جو اس کے دشمن ہیں ان سے دشمنی کی جائے۔

اس کی کتاب (قرآنِ مجید) سے خیر خواہی یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ہر قسم کے تغیر وتبدل اور تحریف سے پاک ہے۔ اس کو محفوظ مانا جائے۔ تجوید کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اور اس پر تفکر وتدبر کیا جائے۔ اس کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا دستور بنایا جائے۔ اس کے احکامات اور تعلیمات پر مکمل عمل کیا جائے اور اسی کو تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ مانا جائے۔ ہر زمانہ کے لئے اس کی تعلیمات کو کافی وشافی تسلیم کیا جائے۔ اس کی اشاعت وترویج کی جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ کا سچا اور آخری رسول مانا جائے۔ آپ ﷺ سے محبت وعقیدت رکھی جائے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی

شریعت وسنت پر عمل کیا جائے۔ آپ ﷺ کے پیغام کو تمام دنیوی پیغامات سے بلند تصور کیا جائے۔ آپ ﷺ سے اپنی جان، اپنی اولاد اور اپنے ماں باپ سے زیادہ محبت کی جائے۔ آپ ﷺ کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیت اور صحابہؓ سے بھی عقیدت ومحبت رکھی جائے۔ آپ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ جو امانت ورسالت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حوالے کی تھی آپ ﷺ نے اسے احسن طریقہ سے تمام انسانوں تک پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مطابق اپنی زندگی بسر کی جائے اور اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی سعی کی جائے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے اور دیگر رسولوں کی طرح اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔

مسلمانوں کے اماموں اور حکمرانوں سے خیر خواہی یہ ہے کہ تمام جائز امور میں ان کی اطاعت کی جائے۔ ہر قسم کی بغاوت اور سرکشی سے اجتناب کیا جائے۔ ان کی دینی حالت کی بہتری کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے اور ان کو اچھی دعاؤں سے یاد کیا جائے۔ معروفات میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے نہ کہ منکرات میں اور جن چیزوں سے وہ غافل ہیں ان کو خبردار کیا جائے اور ان پر خروج نہ کیا جائے اگرچہ کہ وہ ظلم ہی کریں۔ علمائے دین جو بھی بات قرآن وسنت کے مطابق کہیں ان کی اطاعت کی جائے۔

عام مسلمانوں کے لئے خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ہدایت کی فکر کرے اور ان

کی دینی ودنیوی بھلائی کا طالب رہے اوران کو دینی تعلیمات پہنچائے۔ بھلائی کی دعوت کو عام کرے ان کی ایذا رسانی سے اجتناب کرے اوران کو ہر نقصان سے بچانے کی کوشش کرے۔ ان سے بہتر سلوک رکھے اور فائدہ پہنچانے کی سعی میں لگا رہے۔

یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ہے۔ مدار تمام دین ودنیا کا اس پر ہےاور تمام علومِ اولین وآخرین اس میں جمع ہیں۔

جریر بن عبداللہ کی خیر خواہی کا واقعہ:

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھوں گا، زکوٰۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کروں گا۔

عبادات یا تو حق اللہ ہیں یا حق العباد ہیں۔ پس اللہ کے حق سے دو عبادتیں نماز اور زکوٰۃ ذکر کئے ہیں اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں تمام بندوں کے حقوق داخل ہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خریدنے کے لئے بھیجا۔ غلام نے گھوڑے کی قیمت تین سو درہم طے کی۔ گھوڑے کا مالک قیمت لینے کے لئے

جریر بن عبداللہؓ کے پاس آیا۔ آپ نے دیکھا کہ گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے تو آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ اس کو چار سو درہم میں فروخت کرو گے، اس نے کہا اچھا یہ آپ کی مرضی ہے پھر حضرت جریرؓ نے فرمایا کہ مجھے پانچ سو درہم میں فروخت کرو گے، اس نے کہا اچھا یہ آپ کی مرضی ہے اسی طرح حضرت جریرؓ گھوڑے کی قیمت خود بڑھاتے گئے یہاں تک کہ نو سو درہم کے عوض خرید لیا۔ کسی نے کہا یہ آپ نے کیا کِیا؟ خود قیمت بڑھادی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ یہ شخص گھوڑے کی قیمت نہیں جانتا تھا اس لئے میں نے اس کی خیر خواہی کی۔ حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی نہایت خوبصورت تھے اس امت کے ''یوسف'' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۱) فطرت اللہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الروم۔۳۱-۳۰)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلك من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: سب سے یکسو ہوکر اپنا رخ اس دینِ حق کی طرف رکھ اور تم لوگ اللہ کی دی ہوئی اس صلاحیت وقابلیت کی پیروی کرو جس قابلیت پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس خداداد صلاحیت کو جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے تبدیل نہ کرو یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے تم سب خدا کی طرف رجوع ہوکر فطرتِ الٰہی یعنی خداداد صلاحیت کی پیروی کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

شرک کا نامعقول اور ظلمِ عظیم ہونا بیان کرنے کے بعد اس بات کا حکم دیا گیا کہ تم سب یکسو ہو کر دینِ حنیف پر جم جاؤ۔ اس کے بعد اسلام کا فطرت کے مطابق

ہونا بیان کیا گیا ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کی خلقت کو، یہی سیدھا دین ہے)۔ یہ جملہ پہلے جملہ فَاَقِمْ وَجْھَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا کی توضیح اور دینِ حنیف جس کے اتباع کا حکم پہلے جملہ میں دیا گیا ہے اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے کہ وہ دینِ فطرت ہے اور فطرۃ اللہ کی ترکیبِ نحوی میں منصوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں کہ یہاں اِتبع (اتباع کرو) یا لفظ اَعنی (میری مراد یہ ہے)، بہرحال یہ متعین ہے کہ دینِ حنیف جس کے اتباع کا پہلے جملہ میں حکم دیا گیا ہے اسی کو دوسرے جملہ میں فطرۃ اللہ قرار دیا گیا ہے اور اگلے جملہ میں یہ بتلایا کہ اللہ کی فطرت سے مراد جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

فطرت اللہ سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کے دو مشہور اقوال ہیں۔ اول یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو گردوپیش اور ماحول میں کوئی خرابی کرنے والا خراب نہ کردے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا۔ مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ

فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امرِ حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ایک چوپایہ جانور پورا چوپایہ بچہ دیتا ہے کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس خلقت کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی خلقت میں تغیر و تبدیل نہیں ہوتا یہ دینِ مستحکم ہے۔

مگر اس قول پر متعدد اشکالات ہیں۔ اس آیت میں مذکور ہے کہ خلق اللہ اور فطرت اللہ میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لئے معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اللہ کی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا حالانکہ حدیث جو ذکر کی گئی ہے اس میں اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ماں باپ بچے کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ حدیثِ مذکور کی یہ تبدیلی کیسے صحیح ہوئی؟ اور دوسری تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں۔ اگر فطرت کے معنی اسلام لئے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہو سکتی تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں ہوئی؟

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت خضرؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے بارے میں صحیح حدیث میں ہے کہ ''مطبوع علی الکفر ''(اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا) اس لئے حضرت خضرؑ نے اس کو قتل کردیا یہ بات بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ اگر اسلام کوئی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔

چوتھا شبہ یہ کہ احادیث کے مطابق نابالغ بچہ ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ کافر ہوں تو بچہ بھی کافر سمجھا جاتا ہے اس کی تجہیز و تکفین اسلام کے طریقہ پر نہیں کی جائے گی۔

فطرت کا معنی استعداد ہے:

مفسرین کا دوسرا قول فطرت کا معنی استعداد ہے اور یہی معنی قابلِ ترجیح ہے اور اس پر کوئی اشکالات واقع نہیں ہوتے۔ استعداد سے مراد تخلیقِ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو مانے جس کا اثر اسلام کو قبول کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ استعداد سے صحیح کام لے۔ اس خلقی استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہوگیا اس میں استعداد اور قابلیتِ حق یعنی اسلام کی حقانیت

کے پہچاننے کی ختم نہیں ہوتی، غلامِ (بچہ) خضر کے واقعہ میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی اور چونکہ اس خداداد استعداد و قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اس لئے اس پر ثوابِ عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہوگیا اور حدیثِ صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچہ کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہوگیا کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی وہ اسلام ہی کی طرف لے جانے والی تھی مگر عوارض اور موانع حائل ہوگئے اور اس طرف نہ جانے دیا۔ اور حضراتِ سلف سے جو پہلا قول منقول ہے بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں بلکہ یہی استعدادِ اسلام اور اس کی قابلیت وصلاحیت ہے۔ محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں جمہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں اور ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھا ہے جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (ہر چیز کو اس نے خلقت عطا فرمائی پھر اسے راہ دکھائی) سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالقِ کائنات نے کسی خاص مقصد کے لئے

پیدا کیا ہے اس کو اس مقصد کے لئے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے۔ شہد کی مکھی میں بھی یہ مادہ رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچانے اور انتخاب کرے پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لا کر جمع کرے اسی طرح انسان کی فطرت و جبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، اس کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔

لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ، مذکور الصدر تقدیر سے اس جملہ کا مطلب بھی واضح ہوگیا کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت و استعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اس کو غلط ماحول کافر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعدادِ قبولِ حق کو بالکل فنا نہیں کرسکتا۔

اور اسی سے اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ ، یعنی ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں، مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے۔ اگر وہ اس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز سرزد نہ ہو۔

(معارف القرآن۔ جلد ششم)

لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت اور

پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ مفسرین کے دو قول ہیں۔

۱) یہ جملۂ خبریہ ہے یعنی انسان کی اصل فطرت اور اصل طبیعت میں قبولِ حق کی صلاحیت اور استعداد رکھی گئی ہے۔ کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کی فطرت اور خلقت میں تغیر وتبدل کر سکے۔ یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبولِ حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبولِ حق اور قبولِ اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلّف ہی نہ ہوتے، اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباعِ شریعت کے مکلّف نہ ہوتے۔

۲) اور اس آیت یعنی لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یعنی لاتبدیل سے نفی کے معنی مراد نہیں بلکہ نہی کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کفر وشرک کر کے اللہ کی فطرت کو متغیر ومتبدل نہ کرو۔ جس فطرت پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ ایک تخم ہدایت ہے اس کو تم اپنے اختیار سے خراب نہ کرو اور بے توجہی سے اس کو ضائع نہ کرو۔ یہ فطرت سلیمہ حق جل شانہٗ کا خاص عطیہ ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ اندیشہ ہے کہ شیاطین الانس والجن اس کو خراب نہ کر دیں۔ یہی دین جس کی طرف تم کو منہ سیدھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہی سیدھا اور درست دین ہے جو عین خداداد فطرت کے مطابق ہے جس میں کجی کا نام ونشان نہیں سیدھا خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور اس کے سوا جو اور دین ہیں وہ سب

ہواء وہوس اور نفسانی خواہشوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں لیکن بہت سے لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں۔ کج طبعی کی وجہ سے سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر جا رہے ہیں۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا میں فطرت سے عہد الست مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ عہد الست اور اقرارِ ربوبیت پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اقرارِ ربوبیت ہر شخص کی فطرت میں راسخ ہے۔

(معارف القرآن جلد ششم۔ ادریسی)

عہدِ الست:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o (الاعراف۔۱۷۲،۱۷۳)

ترجمہ: اس وقت کا ذکر کیجئے جبکہ آپ کے رب نے بنی آدمؑ کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو نکالا اور ان کو خود انہی کی ذات پر گواہ بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ان سب نے جواب دیا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے ہم سب اس پر گواہ ہیں یہ اقرار اس وجہ سے لے لیا ہے تاکہ تم قیامت کے دن کبھی یوں نہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بالکل بے خبر تھے یا یوں نہ کہنے لگو کہ شرک تو اصل میں ہمارے باپ داداؤں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد پیدا ہوئے تھے (تو ان کے تابع

تھے) تو کیا تو ان غلط کار لوگوں کے فعل پر ہم کو ہلاک کرتا ہے؟

اہلِ باطل کی صحبت اور غلط ماحول سے الگ رہنا فرض ہے:

آیتِ مذکورہ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ کا جملہ اگرچہ بصورتِ خبر ہے یعنی اللہ کی اس فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا لیکن اس میں ایک معنی امر کے بھی ہیں کہ بدلنا نہیں چاہیئے۔ اس لئے اس جملہ سے یہ حکم بھی مستفاد ہوا کہ انسان کو ایسے اسباب سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے جو اس قبولِ حق کی استعداد کو معطل یا کمزور کردیں اور وہ اسباب بیشتر غلط ماحول اور بری صحبت ہے یا اہلِ باطل کی کتابیں دیکھنا جب کہ خود اپنے مذہبِ اسلام کا پورا عالم اور مبصر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو غلط ماحول سے بچنے اور نیک صالحین صحیح العقیدہ حضرات کی صحبت میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۲) جلسۂ تقریبِ نکاح سے خطاب

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا o (النساء۔۱)

صدق اللّٰه العظيم وصدق رسوله الكريم ونحن علٰى ذٰلك من الشٰهدين والشكرين۔

ترجمہ: اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتوں کو پھیلا دیا اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور قرابت کے تعلقات کو قطع کرنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔

۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o (آل عمران۔۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

۳) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا o یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًاo

(الاحزاب۔۷۰،۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی اور سچی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال کو سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی کامیابی سے ہم کنار ہو گیا۔

محترم حاضرین جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ نکاح کی مبارک مجلس ہے اور اس ناچیز سے کچھ کہنے کی گزارش کی جارہی ہے تو میں نے خطبۂ نکاح میں پڑھی جانے والی چار آیتوں کی تلاوت کی ہے اور ان کا ترجمہ بھی آپ کو سنا دیا ہے۔ ان چار آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار مرتبہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تقویٰ کے معنی بچنا اور پرہیز کرنا ہے، کسی ایک لفظ میں اگر دین کا خلاصہ اور مغز بیان کیا جاسکتا ہے تو وہ لفظ تقویٰ ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچنا اور اس کے احکام بجالانا تقویٰ ہے۔

نکاح کی تعریف:

نکاح اس عقد و معاہدہ کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان قرار پاتا ہے جس سے ان دونوں کے درمیان زوجیت کے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نکاح پر ہی نوعِ انسانی کا دارومدار ہے۔ یہ انسان کے

توالد وتناسل کا ذریعہ ہے۔ یہ دو افراد کا آپس میں کوئی ذاتی بندھن یا صرف شخصی اور طبعی خواہش ہی نہیں بلکہ یہ عمل انسانی معاشرہ کے وجود، اس کی تشکیل، اس کی بقاء اور اس کی ترقی کا بنیادی ستون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیقِ آدمؑ سے لے کر شریعتِ محمدیہ تک تمام آسمانی مذاہب اور شریعتوں میں نکاح مسلسل چلا آیا ہے۔ کوئی شریعت ایسی نہیں آئی جو اس عمل نکاح سے خالی رہی ہو، اگرچہ بعض شریعتوں میں بعض عبادات میں تغیر وتبدل آتا رہا ہے لیکن شرائط وضوابط کے تغیر کو چھوڑ کر نفس نکاح کا وجود ہر مذہب میں رہا ہے کسی آسمانی مذہب نے یہ اجازت کبھی نہیں دی ہے کہ بغیر عقدونکاح اور بغیر معاہدہ ومعاقدہ مرد اور عورت کا جنسی تعلق قائم ہو۔

نکاح کی ضرورت:

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں:

۱) قوتِ غضبیہ، ۲) قوتِ شہویہ۔

قوتِ غضبیہ میں افراط اور زیادتی ''تَهَوُّرُ'' اور ظلم ہے اور کمی ''جُبُنُ'' اور بزدلی ہے اور اس میں توسط اور اعتدال شجاعت ہے جو شرعاً مطلوب اور مقصود ہے۔

قوتِ شہویہ میں افراط فسق وفجور اور زنا ہے اور اس میں تفریط خمود وجمود اور نامَردی ہے اور اس کا وسط ''عفت'' ہے جو مطلوب ومقصود ہے۔ نکاح میں انسان کی یہی دو بنیادی قوتیں قابو میں آکر کنٹرول ہو جاتی ہیں اور انسان کی زندگی میں اعتدال کا راستہ پیدا ہو جاتا ہے۔

نکاح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔اس کے بے شمار فوائد ہیں جن کو دیکھ کر ہمارے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ نکاح کرنا نفلی عبادت سے افضل ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت:

۱) نکاح نہ کرنے کی صورت میں جنسی ہیجان کی وجہ سے زنا میں پڑنے کا یقین ہو اور شوہر مہر اور بیوی کا نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو نکاح کرنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ فقہاء کا جملہ ہے ''عند التوقان فرض ''یعنی شدید تقاضہ کے وقت نکاح فرض ہے۔

۲) جنسی تقاضہ تو ہے مگر زنا میں پڑنے کا صرف خطرہ ہے اور شوہر مہر اور بیوی کا نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو نکاح کرنا اس پر واجب ہے۔

۳) جب جنسی ہیجان کا غلبہ نہیں ہے جنسی تقاضہ اعتدال میں ہے اور شوہر بیوی کا نان ونفقہ اور مہر ادا کرنے پر قادر ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا سنتِ موکدہ ہے۔

۴) شوہر کا بدمزاجی کی وجہ سے اپنی بیوی پر ظلم کرنا یقینی ہے مگر دیگر نکاح کے شرائط پوری کرسکتا ہے اس صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

۵) جو شخص نامرد ہے اس کے لئے نکاح کرنا حرام ہے۔

نکاح کب منعقد ہوتا ہے:

بالغ مرد وعورت کا دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔ایجاب وقبول کے الفاظ کو زمانۂ ماضی کے صیغہ میں کہنا چاہیئے یعنی ''میں نے قبول کیا''۔ان شاء اللہ قبول کروں گا/ قبول کرتا ہوں وغیرہ نہیں کہنا چاہیئے ۔

نکاح کی فضیلت:

۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَائَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَہٗ وِجَآءٌ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئیے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کرلینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہئیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کو خصی کرنے کا فائدہ دے گا۔ (یعنی جس طرح خصی ہونے سے جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے)۔

تین آدمی جن کی مدد اللہ کے ذمہ ہے:

۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ثَلَاثَۃٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ عَوْنُھُمْ اَلْمُکَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْاَدَآءَ وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے

تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے۔ ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

نکاح آدھا دین ہے:

۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اِسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنِ فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ فِیْ نِصْفِ الْبَاقِیْ (بیہقی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنے آدھے دین کی تکمیل کی اب اس کو چاہیئے کہ باقی آدھے دین میں اللہ سے ڈرتا رہے۔

''نصف الدین'' یعنی انسان میں دو قوتیں اور دو چیزیں ایسی ہیں جس سے پورے دین میں فساد آنے کا احتمال ہے۔ ایک شہوتِ بطن کی قوت ہے اور دوسرا شہوت فرج کی قوت ہے۔ شہوت بطن شہوت فرج کا نصف ہے تو نکاح سے شہوت فرج کی حفاظت ہو جاتی ہے لہٰذا نصف دین کی حفاظت نکاح سے ہو گئی، باقی نصف کی حفاظت دیگر اچھے افعال و اعمال اور عبادات کے ذریعہ کرنا چاہیئے تاکہ ایمان کامل ہو جائے۔ (توضیحات)

فضائلِ نکاح کے تعلق سے تقریباً ایک سو (۱۰۰) احادیث ہیں۔ چونکہ تمام احادیث بیان کرنے کا وقت نہیں ہے جو بھی بیان کیا گیا ہے وہی کافی ہے۔ کامیاب

نکاح کے لئے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا انتخاب دونوں شریعت کے اصولوں پر ہو۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا دیندار عورت سے نکاح کرو تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

لڑکا اور لڑکی کا انتخاب:

۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسْبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت سے چار اسباب کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔ لہٰذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو خاک آلودہ ہوں تمہارے دونوں ہاتھ۔

افسوس کی بات ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آپ کیا دیں گے؟ روپئے پیسے، مال ودولت کی بنیاد پر جو نکاح ہوتا ہے وہ نکاح کی برکتوں سے محروم ہوتا ہے۔ کبھی تو نکاح کے ٹوٹنے کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر والدین صاحب حیثیت نہیں ہیں تو ان کی لڑکیاں بے نکاح ہی بیٹھی رہتی ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ آپ تعجب کریں گے کہ کس طرح سے خم ٹھوک کر لڑکے والے پوچھتے رہتے ہیں کہ ہمارا لڑکا ڈاکٹر ہے، انجینئر ہے۔۔۔۔ اسے

کار دینی چاہیئے۔ غریب والدین نکاح کا بوجھ کیسے برداشت کرسکتے ہیں؟

۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا ایک متاع (فائدہ اٹھانے کی چیز) ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔

٦) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اخلاق سے مطمئن ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کردو اگر ایسا نہ کروگے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

یعنی ایک نیک سیرت اور نیک صورت آدمی نے پیغامِ نکاح دیا تو لڑکی کے اولیاء کو چاہیئے کہ اس پیغام پر عمل کر کے لڑکی اس کے نکاح میں دے دیں اور بے کار شرائط نہ لگائیں جیسا کہ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اہلِ ثروت مالداروں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اچھے اخلاق واطوار اور دینداری کو نہیں دیکھتے ہیں پھر

طرح طرح کی شرائط رکھتے ہیں اس وجہ سے مرضی کا رشتہ جلدی نہیں ملے گا تو لڑکی گھر میں موت تک بیٹھی رہے گی۔ جب مردوں اور عورتوں کے بیاہ اور شادیوں میں یہ رکاوٹیں آجائیں گی تو زنا عام ہو جائے گا اس کے نتیجہ میں جھگڑے اٹھیں گے اور طویل فساد شروع ہو جائے گا۔ حدیث میں خطاب عورت کے اولیاء کو ہے کبھی کبھی پیغام ٹھکرانے سے باہمی بغض وحسد اور عناد وفساد اور عداوت کا میدان بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پیغام نکاح آنے کے بعد صرف دین کو دیکھنا چاہیئے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کفو کا رشتہ آجائے تو فوراً بیاہ دینا چاہیئے۔ کفو کے لئے چار چیزیں شرط ہیں:۱) دین،۲) حریت،۳) نسب اور۴) پیشہ۔

نہ لڑکے والوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ لڑکی والوں سے مال طلب کریں اور نہ لڑکی والوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ لڑکے والوں پر بوجھ ڈالیں سوائے مہر کے۔ شریعت نے کسی کا مال اس کی رضا کے بغیر لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ''لَا یَحِلُّ مَالَ اِمْرَءٍ اِلَّا بِطِیْبِ النَّفْسِ مِّنْہُ '' (کسی کا مال اس کی دلی رضا کے بغیر لینا حرام ہے)۔ آج کل جوڑا، جہیز اور مختلف مطالبات کی وجہ سے نکاح دشوار ہو گئے ہیں اور بہت سی لڑکیاں اور لڑکے بے نکاح کے بیٹھے ہوئے ہیں۔

۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَزَوَّجَ امْرَاَۃً لِعِزِّھَا لَمْ یَزِدْہُ اللّٰہُ

اِلَّا ذُلًّا وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا فَقْرًا وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِحَسَبِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا دَنَاءَةً وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً لَمْ يَتَزَوَّجْهَا اِلَّا لِيَغُضَّ بَصَرَهُ اَوْ لِيُحْصِنَ فَرْجَهُ اَوْ لِيَصِلَ رَحِمَهُ بَارَكَ اللّٰهُ لَهُ فِيْهَا وَبَارَكَ لَهَا فِيْهِ (طبرانی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کی عزت وشان کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ اس کی ذلت میں اضافہ کرے گا اور جو عورت کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ اس کے فقر میں اضافہ کرے گا اور جو عورت کے حسب نسب کی وجہ سے نکاح کیا اللہ تعالیٰ اس کی حقارت وذلت میں زیادتی کرے گا اور جو عورت سے اس لئے نکاح کرے گا کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھے اور شرم گاہ کی حفاظت کرے اور صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالیٰ اس عورت سے نکاح میں اس مرد کو بھی اور عورت کو بھی برکت عطا کرے گا۔

برکت والا نکاح:

۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرْكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے بہت آسان ہے۔

یعنی آسان اور کم خرچ بالانشین نکاح وہ ہے کہ عورت کا مہر کم سے کم ہو، بوقتِ نکاح شوہر پر ناجائز شرائط نہ لگائی جائیں شوہر کی حیثیت سے زیادہ مال واسباب

کا مطالبہ عورت نہ کرے اور جہیز کا بوجھ بیوی کے گھر والوں پر بھی نہ ڈالا جائے اور دیگر رسومات اور بدعات سے نکاح پاک ہو۔

نکاح کی سجل دستخط ہو کر آچکی ہے اس لئے میں اپنی بات یہیں پر ختم کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کی کاروائیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس ہونے والے نکاح کو برکت والا نکاح بنائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۳) قبولِ حق کی اہم رکاوٹ - کِبر (تکبر)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۔۳۴)

صدق اللّٰه العظيم وصدق رسوله الكريم ونحن علٰى ذٰلك من الشهدين والشكرين۔

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا تمام فرشتوں کو سجدہ کرو آدمؑ کے سامنے تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

۲) اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ فَاَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (ص ۔۸۱-۷۱)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پوری طرح درست کر چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ چنانچہ سب کے سب تمام فرشتوں نے آدمؑ کے سامنے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے کہ اس نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا، کیا تو نے اپنے کو بڑا سمجھا یا تو واقعی بڑے درجے کے لوگوں میں سے ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا نکل یہاں سے یقیناً تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔ ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے دے جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلاشبہ تجھ کو مہلت دی گئی اس مقررہ وقت کے دن تک۔

سب سے پہلا گناہ:

حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ذکر قرآن میں سات (۷) مقامات پر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور زمین میں آپ کو خلیفہ مقرر کیا۔ زمین میں بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا جن میں ابلیس بھی شامل تھا کہ وہ آدمؑ

کو سجدہ کریں۔ فرشتوں نے بلا تامل سجدہ کر دیا لیکن ابلیس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے مجادلہ شروع کر دیا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا ہے، آگ مٹی سے افضل ہے اس لئے میں اس سے بہتر ہوں۔ میں آدمؑ کو سجدہ نہیں کرتا۔ اللہ کی سب سے پہلے نافرمانی کرنے والا ابلیس ہے اور پہلا گناہ تکبر ہے۔ جن اشخاص اور اقوام نے حق کو جھٹلایا وہ سب تکبر میں مبتلا تھے۔ آج بھی جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں حق کو قبول نہیں کرتے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان اقوام کے سرداروں کے انکار کی وجہ تکبر ہی بیان کی ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ٥ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ٥ (الاعراف۔۷۶،۷۵)

ترجمہ: حضرت صالحؑ کی قوم کے سردار جو متکبر تھے انہوں نے ان غریب اور کمزور لوگوں سے جو اس کی قوم میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کیا تم کو اس امر کا یقین ہے کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟ اس کمزور طبقے نے جواب دیا بیشک وہ جو حکم دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ جو متکبر سردار تھے کہنے لگے جس ہدایت پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ٥ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ○ (المومنون۔۴۶،۴۵)

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل دے کر فرعون اور اس کے مشیرانِ خاص کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے متکبرانہ برتاؤ کیا اور وہ لوگ تھے ہی بڑے متکبر اور سرکش۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا انکار کرنے والے قریشِ مکہ بھی تکبر ہی میں مبتلا تھے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

(الصّٰفّٰت۔۳۷ ۔۳۵)

ترجمہ: یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور حقیقی معبود نہیں ہے تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے چھوڑ دینے والے ہیں؟ وہ نہ شاعر ہے نہ دیوانہ بلکہ وہ سچا دین لے کر آیا ہے اور وہ سب پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے۔

متکبر کے دل پر اللہ مہر لگا دیتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ (المومن۔۳۵)

ترجمہ: وہ لوگ وہ ہیں جو بغیر کسی دلیل کے جو ان کو ملی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اہلِ ایمان کے نزدیک یہ رویہ بڑا ہی

ناپسندیدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر کردیا کرتا ہے۔

متکبرین کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ وَکَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ (الاعراف۔۴۰)

ترجمہ: یقین جانو جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان آیتوں سے متکبرانہ برتاؤ کیا تو ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ اس وقت تک جنت میں داخل ہونے پائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝ (الاعراف۔۳۶)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کیا یہی لوگ جہنم میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ اَلَیۡسَ فِیۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ۝ (الزمر۔۶۰)

ترجمہ: اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن آپ ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں

گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟

تکبر کی حقیقت:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں تو کیا اس کو بھی تکبر کہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جمیل (صاحبِ جمال) ہے اور جمال (اچھائی اور خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے اور تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی سے نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔

سائل کا مطلب تھا کہ اچھے کپڑے، اچھا جوتا اور اچھا رہنا سہنا ایک مسلمان پسند کرتا ہے تو کیا یہ بھی تکبر کے دائرہ میں آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ تو زینت اور جمال ہے اور جمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر اور ذلیل جان کر دور بھگائے۔ یعنی اصل تکبر اس خود پسندی اور غرور کا نام ہے جو انسان کو حق سے ہٹا دے اور راہِ راست سے بھٹکا دے۔

متکبر جنت میں داخل نہیں ہوگا:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدًا فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہ شخص جہنم میں (ہمیشہ کے لئے) داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہوگا۔

بڑائی اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْکِبْرِیَآءُ رِدَآئِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِّنْھُمَا اَدْخَلْتُہُ النَّارَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَذَفْتُہٗ فِی النَّارِ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میرا تہبند ہے پس جو شخص اس میں میرا مقابلہ کرے گا تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔

قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح ذلیل ہوں گے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذُّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی شکل میں ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور ہر طرف سے ذلت وخواری ان کو پوری طرح گھیر لے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں آگوں کی آگ ان پر چھا جائے گی اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون اور پیپ ان کو پلایا جائے گا جس کا نام طینت الخبال ہے۔

تکبر کی مذمت:

عَنْ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يٰاَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ (بیہقی)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے منبر پر کھڑے ہوکر (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کے درجہ کو بلند کرے گا۔ چنانچہ وہ اپنی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص لوگوں کے ساتھ تکبر کرتا ہے اللہ اس کے مرتبہ کو گرا دیتا ہے۔ وہ لوگوں کی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے مگر اپنی نظر میں خود کو بلند مرتبہ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے یا سور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو تکبر سے بچائے اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۴) تقدیر کا مسئلہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى o الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى o وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى o (الاعلیٰ۔۳۔۱)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اے نبی پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی جو سب سے اعلیٰ ہے۔جس نے پیدا کیا اور پھر درست کیا۔اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرما رہے ہیں کہ اپنے ربِ اعلیٰ کی پاکی بیان کیجئے۔اپنے رب کے نام کو پاک رکھئیے ،اس کی تعظیم وتکریم کیجئے اور ایسی صفت سے اس کو پاک رکھئیے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہے۔یہ ربِ اعلیٰ کی صفات میں سے ہے کہ اس نے تمام کائنات پیدا کی۔پہلی صفت خلق ہے یعنی عدم سے بغیر کسی مادۂ سابقہ کے وجود میں لانا ہے۔یہ کام کسی مخلوق کے بس کا نہیں ہے یہ صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرتِ کاملہ ہے کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جس چیز کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔دوسری صفت فسویٰ ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں یعنی ہر چیز کو جو وجود عطا فرمایا ہے اس کی جسامت،شکل وصورت اور اعضاء واجزاء

کی وضع وہیئت اور ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر وجود بخشتا ہے۔ انسان اور جانور کو ان کی ضروریات کے مناسب اعضاء دیئے گئے۔ تیسری چیز قدّر ہے۔ تقدیر کے معنی کسی چیز کو خاص انداز سے بنانے اور باہمی موازنت کے بھی آتے ہیں اور بمعنی قضاء وقدر کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور خاص تجویز کے ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔ چوتھی چیز یہ فرمائی ''فھدٰی''یعنی خالقِ کائنات نے جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا اس کو اس کی ہدایت بھی فرمادی کہ وہ کس طرح اس کام کو انجام دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہدایت تمام کائنات ومخلوقات کو شامل ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد ہشتم)

۲) اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍO (القمر۔۴۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہر چیز پیدا کی ہے ایک انداز کے مطابق۔

۳) یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِO (الرعد۔۳۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ اسی کے پاس ہے۔

تقدیر پر ایمان:

حدیثِ جبرئیلؑ میں حضرت جبرئیلؑ نے سائل کی صورت میں آکر اللہ کے رسول ﷺ سے جو سوالات کئے اس میں دوسرا سوال ایمان کے بارے میں ہے:

فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِیۡمَانِ قَالَ اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ

الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ (پھر جبرئیلؑ نے پوچھا مجھے ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو۔ اور تم تقدیر کے اچھے برے ہونے پر یقین رکھو۔ وہ سب نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا آپ نے سچ فرمایا)۔

تقدیر کا مسئلہ ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے:

ایمان کی حقیقت اللہ اور اس کے رسول کی تمام باتوں کی دل سے تصدیق کرنا ہے۔ عقل کے ناخن سے تقدیر کی گتھیاں حل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں نے بھی اس مسئلہ میں عقلی گھوڑے دوڑائے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے۔ یا جبری بن گئے یا قدری بن گئے یا کفری بن گئے۔ تقدیر کے تعلق سے جو باتیں قرآن میں یا احادیث میں آئی ہیں یہی اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے والا شخص کبھی مسئلۂ تقدیر میں نہ شک کرے گا اور نہ الجھن محسوس کرے گا۔ اللہ کی ذات وصفات انسانی عقل سے ماوراء ہیں اسی طرح تقدیر کا مسئلہ بھی انسانی عقل سے ماوراء ہے۔ عمرِ خیام نے کیا خوب بات کہی ہے ؎

قضاء وقدر کے رازوں کو کون پاتا ہے — یہ وہ معمہ ہے جو الجھنیں بڑھاتا ہے

قضاء وقدر کے معنی مشترک ہیں۔ ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے اور کبھی کبھی مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس طرح کہ قدر تو اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی اجمالی

فیصلہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہوتا ہے۔ قضاء اس کی خارجی تکمیل ہوتی ہے۔ تاہم اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ قضاء وقدر میں ترادف ہے دونوں ایک ہی ہیں۔

دین کے حقائق:

قرآن واحادیث نے جن حقائق کو بیان کیا ہے اگر ان کو ذہن میں رکھا جائے تو ان شاء اللہ کوئی الجھن نہیں پیدا ہوگی۔ یہ مسئلہ جس قدر جاننا ضروری ہے قرآن واحادیث نے بہت صاف اور واضح بیان کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم ازلی اور کلی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ۔ تو قلم نے پوچھا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تقدیر لکھ دے۔ قلم نے لوحِ محفوظ پر جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ مخلوقات کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے یہ سب کچھ رقم کرا دیا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا وہ سب لوحِ محفوظ پر ثبت ہوگیا ہے اور دنیا میں اسی کے مطابق پیش آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا اندازہ (تقدیر) کیا اور لکھوا دیا اسی کے مطابق تمام چیزیں دنیا میں پیش آرہی ہیں اور پیش آئیں گی۔ کوئی چیز بھی تقدیرِ الٰہی کے خلاف پیش نہیں آسکتی۔ انسان کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کے لئے خیر وشر کو دنیا میں پیدا کیا۔ اس آزمائش کے لئے ضروری ہوا کہ انسان کو کچھ اختیار بھی دیا جائے۔ جو اپنے ارادہ اور اختیار کو استعمال کرتے ہوئے خیر کو اختیار کرے گا وہ

کامیاب قرار دیا جائے گا اور جو شر کو اختیار کرے گا وہ ناکام قرار دیا جائے گا۔ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کی تمیز بھی رکھی ہے اور انبیائے کرامؑ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے صاف واضح طور پر بتا دیا کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے۔ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ محدود ہے، اسی محدود اختیار میں اس کی آزمائش ہو رہی ہے۔ چونکہ انسان کا خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور اس کا اختیار بھی اللہ کا عطا کردہ ہے۔ لہٰذا انسان کے اعمال کا خالق اللہ ہے اور بندہ اپنے اختیار کو استعمال کر کے جو بھی کرتا ہے وہ کاسِب کہلاتا ہے۔ اسی کسب پر وہ جزاء اور سزا کا مستحق بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے اپنے علم کے مطابق کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام غیر حکیمانہ نہیں ہوتا۔ ع

خسرو ہر چہ کند شیریں بود

(بادشاہ جو بھی کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے)

گو بظاہر کچھ چیزیں بری اور ناگوار پیش آئیں مگر ان کے پیچھے جو حکمت ہے وہ معلوم ہونے کے بعد کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا جیسا کہ حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑ دیا اور ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا۔

تقدیر کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں: ایک معلق اور ایک مبرم۔

تقدیرِ معلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ایک فیصلہ لکھ دیا اور اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی رکھ دیں مثلاً یہ فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال کی ہو گی لیکن اگر اس نے والدین کی خدمت کی یا تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی تو اس کی عمر اسی

(۸۰) سال ہو جائے گی۔

تقدیرِ مبرم اللہ تعالیٰ وہ اٹل فیصلہ ہے جو کچھ مقرر اور متعین ہے اس میں کبھی تغیر ممکن نہیں۔ جو فیصلہ تقدیرِ مبرم میں ہو چکا ہے وہی ہو کر رہے گا۔ اسی کی طرف آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔۔۔ (اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ اسی کے پاس ہے) میں اشارہ ہے۔ عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے اگر ان حقائق پر یقین رکھا جائے تو ان شاء اللہ زندگی میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

حضرت علیؓ سے کسی نے تقدیر کا مسئلہ پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ ''طریق مظلم فلا تسلكه ''یعنی یہ ایک تاریک راستہ ہے اس میں مت جاؤ۔ اس نے پھر سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ''بحر عميق فلا تلجه ''یعنی یہ ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو۔ اس شخص نے پھر سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ''سر الله قد خفی علیك فلا تفشه ''یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا مخفی راز ہے اس کی تفتیش مت کرو۔ اس نے سوال کیا کہ بندہ مختار ہے یا مجبور ہے؟ آپؓ نے فرمایا اپنا پاؤں اٹھاؤ اور کھڑے رہو۔ وہ ایک پاؤں اٹھا کر کھڑا رہا۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دوسرا پاؤں اٹھاؤ تو اس نے کہا یہ ممکن نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ انسان اتنا با اختیار ہے اور اتنا بے اختیار ہے۔ (توضیحات)

تقدیر کے مسئلہ میں کل تین مذاہب ہیں۔ جبریہ، قدریہ اور اہلِ سنت۔

اہلِ سنت کا عقیدہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

جبریہ:

تقدیر کے متعلق جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبورِ محض جماد کی طرح ہے اس کے افعال کا اعتبار نہیں اور تقدیر کے سامنے یہ بے بس اور بے حس پتھر ہے۔ جبریہ کا مذہب صریح باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ پر ظلم کی نسبت لازم آتی ہے۔ چونکہ جب انسان مجبورِ محض ہے تو اس کو جزاء وسزا کے محکمہ میں گھسیٹ کر لانا کہاں کا انصاف ہے؟ ہر عقل مند شخص اپنے وجدان سے اس بات کو سمجھتا ہے کہ اسے کچھ عمل کرنے کا اختیار ہے۔ ایک بے عقل کتا بھی دیکھو جب کوئی شخص اسے پتھر مارتا ہے تو وہ پتھر کو چھوڑ کر مارنے والے شخص کے پیچھے دوڑتا اور بھونکتا ہے۔

معتزلہ قدریہ:

ان کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے کسی تقدیر کا پابند نہیں بلکہ اپنے افعال کا انسان خود خالق ہے۔ پہلے سے کوئی لکھت نہیں ورنہ مؤاخذہ محال ہو جائے گا۔

یہ مذہب بھی صریح البطلان ہے اور جبریہ کی طرح یہ لوگ بھی اہلِ باطل ہیں ان کا یہ مذہب جبریہ کی ضد ہے۔ ان کے مذہب کے باطل ہونے پر بہت نصوص موجود ہیں۔

تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا:

۱) عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ فِىْ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِى الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدَ الْجُهَنِّىْ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ اَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَوْ لَقِيْنَا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَآءِ فِى الْقَدَرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهٗ اَنَا وَصَاحِبِىْ اَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخِرُ عَنْ شِمَالِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِىْ سَيَكِلُ الْكَلَامَ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَااَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ لَنَا قِبَلَنَا اُنَاسٌ يَقْرُؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَذَكَرَ مِنْ شَانِهِمْ وَاَنَّهُمْ يَزْعَمُوْنَ اَنْ لَا قَدَرَ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ قَالَ اِذَا لَقِيْتَ اُولٰٓئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اِنِّىْ بَرِئٌ مِّنْهُمْ وَاِنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّىْ وَالَّذِىْ يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ اَنَّ لِاَحَدِهِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهٗ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ (مسلم)

ترجمہ: یحیٰی بن یعمر بیان کرتے ہیں کہ مسئلۂ تقدیر میں جس نے پہلے کلام کیا وہ بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا۔ میں اور میرے ساتھی حمید بن عبدالرحمٰن حج یا عمرہ کی نیت سے نکلے تو ہم نے کہا کاش کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہؓ میں سے کوئی مل جاتا تو ان لوگوں کے تعلق سے پوچھتے جو تقدیر میں شبہات پیدا کررہے ہیں۔ اتفاق سے ہمیں عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات نصیب ہوئی جب وہ مسجد میں داخل ہورہے تھے میں اور میرا ساتھی ایک دائیں اور بائیں طرف ان سے لپٹ گئے۔ میں جانتا تھا کہ

میرا ساتھی مجھے ہی گفتگو کرنے کے لئے سپرد کرے گا۔اسی بنا پر میں نے ان سے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمرؓ کی کنیت) ہمارے اطراف میں کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم میں بہت کدوکاوش بھی کرتے ہیں پھر ان کی مفصل روداد بیان کی اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کے واقعات یوں ہی چلتے رہتے ہیں اور تقدیر کچھ نہیں ہے۔تو انھوں نے فرمایا کہ جب ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو کہہ دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔عبداللہ بن عمر اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ خیرات کرے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَاَنَّ مَا اَخْطَاءَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر ایمان نہ لے آئے اور جو خیر وشر اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اس کو نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو پہنچ جاتا۔

۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ

يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَا يُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَيُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ چار باتوں کی دل سے گواہی نہ دے: ۱) یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں،۲) اس نے سچا دین دے کر مجھے بھیجا ہے اور۳) مرکر قیامت میں جینے کا یقین نہ کرے اور۴) جب تک تقدیر کو نہ مانے۔

تقدیر میں بحث کرنے سے گریز کرنا:

۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى اِحْمَرَّ وَجُهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِیْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَلَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ (ترمذی، ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم تقدیر کے مسئلہ میں بحث کررہے تھے۔اس پر آپ ﷺ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے سرخ ہوگیا یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کے رخساروں میں انار کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے۔فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی بات کے لئے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؟

خوب یاد رکھو تم سے پہلی امتوں نے جب اس بارے میں جھگڑے نکالے تو وہ برباد کردی گئیں اس لئے میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں بحث و تمحیص نہ کرنا۔

تقدیر کے بارے میں گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں:

۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ تَکَلَّمَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْهِ لَمْ یُسْئَلْ عَنْهُ (ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں ذرا بھی زبان ہلائی قیامت میں اس کی اس سے باز پرس کی جائے گی اور جس نے کوئی گفتگو نہیں کی اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔

تقدیر کے فیصلہ پر راضی رہنا انسان کی بڑی سعادت ہے:

۶) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ وَمِنْ شِقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْکُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شِقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقدیر کے فیصلہ پر راضی ہوجانا آدمی کی سعادت کی دلیل ہے اور اس کی بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ سے خیر طلب کرنا چھوڑ دے اور تقدیر کے فیصلہ پر ناراض ہونا بدبختی کی

دلیل ہے۔

تقدیر کے فیصلوں میں محو واثبات:

۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمَ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُہٗ (ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقدیر کو کوئی چیز پلٹ نہیں سکتی مگر صرف دعاء اور مقررہ عمر میں کوئی شئے زیادتی نہیں کرسکتی مگر نیکی اور یقیناً آدمی گناہوں کی شامت سے کبھی رزق سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

انسانوں کی کوشش تقدیر ہی کی خفیہ کارفرمائی ہے:

۸) عَنْ اَبِیْ خِزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا وَدَوَآءً نَتَدَاوٰی بِہٖ وَتُقَاۃً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ قَالَ ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ

(احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! فرمایئے یہ جو ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں یا دوا کا استعمال کرتے ہیں یا ہتھیاروں سے جنگ میں اپنا بچاؤ کرتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! یہ چیزیں خود تقدیر کے اندر لکھی ہوئی موجود ہیں۔

۹) عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ قَالَتِ الْاَعْرَابُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَتَدَاوٰی

قَالَ نَعَمْ تَدَاوَوُا فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَآءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ شِفَآءً اَوْ قَالَ دَوَآءً اِلَّا دَآءً وَاحِدًا فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا ھُوَ قَالَ الْھَرَمُ (احمد، ابوداود، ترمذی)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک روایت کرتے ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا ہم بیماریوں کا علاج کیا کریں؟ فرمایا ہاں دوا کا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے دوا پیدا کی ہے مگر صرف ایک بیماری۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کونسی بیماری ہے؟ فرمایا حد سے گزرا ہوا بڑھاپا۔

جدید دور کے نفسیاتی امراض اور خودکشی کا حل:

قرآن اور احادیث کی روشنی میں تقدیر کے مسئلہ کی جو وضاحت آپ کے سامنے کی گئی ہے وہ بڑی حد تک کافی ہے۔ تفصیلات تو بہت ہیں جن کا عام لوگوں کی سمجھ میں آنا دشوار ہے۔ طب کی دنیا میں نفسیاتی امراض یا تو ''Psychosis'' یا پھر ''Neurosis'' ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اگر اس کو قبول نہ کر کے آدمی اس کے خلاف اپنا ذہن بناتا ہے تو ''Psychosis'' میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی بہت ساری اقسام ہیں۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے اور فکر کرتا ہے تو ایسا شخص ''Neurosis'' میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دینی اصطلاح میں اس کے ساتھ جو کچھ ناگوار پیش آ چکا ہے اس کے اثرات کو ''حزن'' کہتے ہیں اور مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کی فکر میں مبتلا ہونے کو ''خوف'' کہتے ہیں۔ ایمان والوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر، اس کی صفات پر، اس کی تقدیر پر

ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ''خوف وحزن'' میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارتے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمادی ''قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ (البقرہ۔۳۹،۳۸)''

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ تم سب نیچے اترو اس جنت سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور اور جو انکار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے وہی لوگ ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور وہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام یا تو تشریعی ہیں یا تو تکوینی ہیں۔ تشریعی احکامات پر حتی الامکان عمل کرنا ہے اور تکوینی احکامات یعنی جو کچھ دنیا میں پیش آرہا ہے اس کو خوش دلی سے قبول کرنا ہے۔ جب آدمی تکوینی احکامات کو قبول نہیں کرتا تو اس کا ذہن مخالف رخ اختیار کر کے ذہنی مریض بن جاتا ہے۔ علاج صرف ایک ہی ہے کہ احکامات چاہے تشریعی ہوں یا تکوینی ہوں آدمی پوری طرح اپنا سرِ تسلیم خم کرے اور ان کو پوری طرح دل سے قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہے، حکیم بھی ہے، رحمٰن بھی ہے، رحیم بھی ہے، مومن (امن دینے والا) اور مہیمن (نگرانی کرنے والا) بھی ہے، ودود (بندوں سے محبت کرنے والا) بھی ہے اور ولی (کارساز) بھی ہے،

یہ تمام صفات اگر کسی شخص کے ذہن نشین ہوں تو اس کے لئے ساری پریشانیاں کافور ہو جاتی ہیں۔

ہماری جان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اور یہ زندگی امتحان کی مہلت ہے۔ ناگوار حالات کو انگیز کرنے کی بجائے کوئی اپنی جان کو خودکشی کے ذریعہ سے ہلاک کرتا ہے تو اس سے بڑا نادان اور جاہل کوئی نہیں کیونکہ اس نے اللہ کی دی ہوئی جان کی اور زندگی کی قدر نہیں کی۔ اس نے تقدیر کے فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خودکشی گناہِ کبیرہ ہے اور اس کی بڑی سخت سزا ہے۔ اس دور میں خودکشی کی واردات کثرت سے ہو رہی ہیں۔ ان واردات کا ایک جائزہ جو لیا گیا ہے کہ ایسے گئے گزرے حالات میں بھی ایمان والے بہت کم تعداد میں اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تقدیر پر ایمان ان کے لئے بہت بڑا سہارا ہے۔ ایک جاہل شخص بھی جب بڑے سے بڑے حادثہ سے دوچار ہوتا ہے تو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا ہے کہ ''یہ ہمارے نصیب ہیں''۔ اس سے بڑھ کر عقیدۂ تقدیر کی افادیت کیا ہو سکتی ہے!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقدیر کے عقیدہ پر پوری طرح یقین رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۵) انسانوں کی گمراہی کا ایک اہم سبب عقل وشعور سے کام نہ لینا ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ o (الاعراف۔۱۷۹)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سے جنات اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان دلوں سے سمجھ کا کام نہیں لیتے اور ان کے پاس آنکھیں ہیں پر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان بھی ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ یہ ان سے زیادہ بے راہ ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل ہیں۔

یہ حقیقت امر واقعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے جن اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ جہنم میں رہنے والے اور جہنم

کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کیونکہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ جن کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان دلوں سے حق بات کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے یعنی حق بات کو سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اوران لوگوں کے پاس آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور صحیح استدلال کا ان سے کام نہیں لیتے اوران کے پاس کان تو ہیں مگر وہ ان کانوں سے حق بات کو نہیں سنتے ۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ لوگ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں یعنی یہ انسان اور ذوی العقول (صاحبِ عقل) ہونے کے باوجود آخرت سے جانوروں کی طرح غافل اور بے خبر ہیں تو جانوروں سے بھی زیادہ بے راہ ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یعنی خدا اور رسول کو پہچاننا اوران کے حکم سیکھنا ہر کسی پر فرض ہے نہ کرے تو جہنم میں جاوے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے قلوب سے اور آنکھوں اور کانوں سے کام نہ لیں تو یہ سمجھو کہ یہ بدنصیب دوزخ ہی میں رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

عقل سے کام لینے کی تاکید:

قرآنِ مجید میں پچاس مقامات پر عقل سے کام لینے کی اہمیت اور تاکید بیان کی گئی ہے اور دس مقامات پر ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'' (کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟) فرمایا گیا ہے۔

حواسِ خمسہ اور عقل و شعور اللہ کی نعمتیں ہیں:

۱) قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا

تَشۡكُرُوۡنَ ۝ (الملک ۔۲۳)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے مگر تم لوگ بہت ہی کم شکرادا کرتے ہو۔

۲) وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ ‌ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝ (النحل ۔۷۸)

ترجمہ: اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اسی نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا کئے تا کہ تم اس کے احسان کا شکر بجالاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے تم کو ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تم کو آنکھ، کان اور دل دیئے تا کہ ان کے ذریعہ سے تم احساس اور ادراک کرسکو اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکرادا کرسکو۔ سورۂ نحل اور سورۂ ملک کے علاوہ سورۂ مومنون، سورۂ سجدہ اور سورۂ احقاف میں بھی انہی الفاظ میں ان نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرنے پر دنیا و آخرت میں وبال:

۱) کفر میں مبتلا ہونا:

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ (یونس ۔۱۰۰)

ترجمہ: اور کسی شخص کا ایمان لانا بغیر اللہ کے حکم کے ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو کفر میں مبتلا کرتا ہے جو عقل سے صحیح کام نہیں لیتے۔

حالانکہ کسی شخص کا بغیر حکمِ خداوندی اور اس کی مشیت کے ایمان لانا ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ انہی لوگوں پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے اور انہی کو کفر کی گندگی میں مبتلا رکھتا ہے جو عقل سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے یعنی جب تک کسی کے ایمان سے مشیتِ الٰہی متعلق نہ ہو ایمان نصیب نہیں ہوتا اور وہی لوگ محروم رہتے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (کشف الرحمٰن)

۲) جہنم میں داخلہ کا سبب:

كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ o قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَ نَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ o وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ o (الملک۔۱۰-۸)

ترجمہ: جب بھی کوئی گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! یقیناً ہمارے پاس ایک ڈرانے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے اور تم بڑی گمراہی میں ہو۔ اور کہیں گے کاش کہ ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے۔

اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے یعنی اگر

ہم پیغمبروں کی بات کو سنتے اور ان کے کہنے کو قبول کرتے اور مانتے تو آج کے دن اہلِ دوزخ اور اصحابِ سعیر سے نہ ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پیغمبروں کے وعدہ اور وعید کو طالبِ حق کا سننا سنتے اور اس میں غور وفکر کرتے تو آج یہ حالت نہ ہوتی۔ بہرحال دو ہی چیزیں ہیں ایک سننا اور دوسرا سمجھنا اور بدقسمتی سے یہ دونوں کا انکار کریں گے کہ نہ سنا نہ سمجھا اور بالآخر اس دہاڑے کو پہنچے کہ آج دوزخ والوں کے ساتھ جہنم میں پڑے ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

۳) منکرینِ حق کے آنکھ، کان اور دل کام نہیں دیتے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَا اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ وَلَا اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (الاحقاف۔۲۶)

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے لیکن وہ لوگ چونکہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اس لئے نہ ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

۴) دلوں اور آنکھوں کا پلٹ دینا:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (الانعام۔۱۱۰)

ترجمہ: اور ہم ان کے قلوب کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے سو یہ ایمان نہ لائیں گے جیسے یہ لوگ پہلی مرتبہ سابقہ نشان پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے۔

۵) دلوں پر زنگ لگنا:

۱) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (التطفیف۔۱۴)

ترجمہ: ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے جو وہ بداعمال کیا کرتے تھے۔

۶) دلوں پر مہر لگنا:

۱) كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الروم۔۵۹)

ترجمہ: یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے۔

۲) اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ (المومن۔۳۵)

ترجمہ: جو لوگ بغیر دلیل کے جو ان کو ملی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک یہ رویہ بڑا ناپسندیدہ ہے اس طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

۳) اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الجاثیہ۔۲۳)

ترجمہ: بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو خدا بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو علمِ صحیح کے بعد گمراہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کان پر اس کے دل پر مہر لگا دی اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے بعد اس کو کون صحیح راستہ دکھا سکتا ہے کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی دی ہوئی نعمتیں آنکھ، کان اور دل کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۶) عِصمتِ انبیاءؑ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (البقرہ۔۳۶،۳۵)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلك من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: اور ہم نے آدمؑ سے کہا کہ اے آدمؑ سکونت اختیار کر تو اور تیری بیوی جنت میں اور تم دونوں اس میں سے خوب جی بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور ہاں! دیکھو اس مخصوص درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے پھسلا دیا آدمؑ اور حواؑ کو (اس درخت کی وجہ سے) اور نکال کر چھوڑا ان کو اس عیش سے جس میں وہ دونوں تھے اور ہم نے کہا نیچے جاؤ تمہاری حالت یہ ہو گی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تم کو زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک مقررہ وقت تک۔

۲) فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ○ (طٰہٰ-۱۲۱،۱۲۰)

ترجمہ: پھر شیطان نے آدمؑ کے قلب میں وسوسہ ڈالا آدمؑ سے کہنے لگا اے آدم کیا میں تجھ کو ہمیشہ زندہ رکھنے والا درخت بتادوں اور نیز ایسی بادشاہت بتادوں جو کبھی پرانی نہ ہو؟ چنانچہ ان دونوں میاں بیوی نے اس ممنوعہ درخت میں سے کھالیا اس پر ان دونوں کی شرم گاہیں ان پر کھل گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے ملا ملا کے رکھنے لگے اور آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری میں قصور کیا اور وہ غلطی میں پڑ گیا۔

اہلِ حق کا عقیدہ:

اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیائے کرامؑ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ قصداً اور اراداۃً ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔ اگر قصداً ان سے اللہ کی نافرمانی ہوتی تو اللہ جل شانہ ان کو مخلوق کی بے چوں و چرا اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء-۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح-۱۰)

ترجمہ: تحقیق جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

ظاہر ہے کہ اتباعِ نبوی اور اقتدائے مطلق کا جو حکم قرآنی آیات سے ثابت ہے وہ کسی خاص امر کے ساتھ نہیں بلکہ تمام ہی امور عقائد سے لے کر اعمال، اخلاق اور حال سب شامل ہے۔

عصمت کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کا ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہو۔ معصوم وہ شخص ہے جو اپنے تمام اعتقادات، نیات، ارادے، مقامات، اخلاق، عادات، عبادات، معاملات، اقوال و افعال میں نفس و شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو اور حفاظتِ غیبی اس کی محافظ اور نگہبان ہو کہ اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جائے جو اس کے دامنِ عصمت کو آلودہ کر سکے۔ اللہ جل شانہ کی نظرِ عنایت اور فرشتوں کی محافظت اس کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہو۔ جو کشاں کشاں اس کو راہِ راست پر چلاتی ہو۔

معصیت (گناہ) مطلق مخالفتِ حکم نہیں ہے بلکہ معصیت اس مخالفتِ حکمِ الٰہی کو کہتے ہیں جو عمداً و قصداً ہو اور بوجہ نسیان اور غلطی نہ ہو۔ جو مخالفت سہو یا نسیان کی بناء پر ظہور میں آئے یا بتقاضائے عظمت یا بتقاضائے محبت کوئی مخالفت سرزد ہو جائے تو اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہتے بلکہ اس کو زَلت اور لغزش کہتے ہیں جیسے کوئی مخدوم اپنے کسی چھوٹے کو سرہانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اس کے کہنے کو نہ مانے تو یہ سرکشی اور

معصیت نہیں بلکہ عین ادب ہے اور دلیلِ اطاعت ہے۔ صلح حدیبیہ میں حضرت علیؓ کا لفظ رسول اللہ مٹا دینے سے انکار کرنا بھی اسی قبیل سے تھا اور حضرت آدمؑ کا ممنوع درخت کھالینا بھی بھول چوک کی بناء پر تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (حضرت آدمؑ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا)۔ حضرت آدمؑ حق جل شانہ کی ممانعت لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا) کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اِنَّهٗ عَدُوٌّ لَّكُمَا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (وہ تم دونوں کا دشمن ہے پس کہیں تم کو جنت سے نہ نکال دے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ) یہ بھی یاد نہ رہا۔ سو یہ ماجرا بھول چوک سے ہو گیا اور بھول جانے کو گناہ اور جرم قرار دینا غلط ہے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ دونوں جنت پر فریفتہ تھے اس لئے ابلیس کی قسم سے دھوکے میں آ گئے اور یہ سمجھے کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ نیز حضرت آدمؑ کا درخت سے کھالینا بتقاضائے محبتِ خداوندی، قربِ خداوندی اور خلود کے شوق میں تھا۔ جیسا کہ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ اور ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ) اس پر دلالت کرتا ہے نیز بتقاضائے عظمت بھی تھا اس لئے کہ جب شیطان نے یہ قسم کھائی وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں) تو حضرت آدمؑ

کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹی قسم کھائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ کا فعل بتقاضائے مخالفت نہ تھا اور نہ بتقاضائے ہوائے نفسانی تھا بلکہ بتقاضائے محبت و عظمتِ خداوندی تھا۔ لہٰذا اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ کہا جائے کہ از قسمِ زلت ولغزش ہے یعنی ارادہ تو اطاعت اور قربِ خداوندی کا تھا مگر دشمن نے ایسا دھوکہ دیا کہ قدم پھسل کر دوسری جانب جاپڑا اسی کو لغزش کہتے ہیں۔ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ (شیطان نے دھوکا دے کر ان کو مائل کرلیا) اور فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (شیطان نے ان کو پھسلا دیا) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ لغزش تھی جو بھولے سے ہوگئی ارادہ نافرمانی کا نہ تھا۔ جن آیات میں اس فعل پر معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى) وہ محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔ ان کے مقامِ بلند اور رتبۂ عالیہ کی وجہ سے اس کا نام عصیان رکھا گیا ہے۔ انبیائے کرامؑ کے حق میں ترکِ اولیٰ ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں خطاء ہے۔ حضراتِ انبیاءؑ کی خطاء کے معنی یہ ہیں کہ افضل اور اولیٰ سے چوک گئے اور بھولے سے غیر اولیٰ اور غیر افضل کے مرتکب ہوئے اوروں کی خطاء کے معنی یہ ہیں کہ حق و ہدایت سے چوک گئے اور باطل وضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ حضراتِ انبیائے کرامؑ باجماعِ امت ایسی خطاؤں سے معصوم ہیں۔ خطائے اجتہادی کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت بھول چوک سے اولیٰ وافضل کی بجائے خلافِ اولیٰ امر ان سے صادر ہوجاتا ہے اور بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کرلیتے ہیں۔

متعلقاتِ عصمت:

۱) عقائد:

انبیائے کرامؑ ابتداء سے ہی توحید اور ایمان پر مفطور رہوتے ہیں۔ جب سے پیدا ہوتے ہیں اس وقت سے ان کے قلوب کفر وشرک سے پاک اور منزہ اور ایقان وعرفان سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ ثابت نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی نبوت ورسالت کے لئے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو جو عظیم الشان منصبِ نبوت کی سرفرازی سے پہلے کفر وشرک کی نجاست سے آلودہ ہو چکا ہو۔

۲) تبلیغی احکام:

تبلیغ کے احکام میں نہ اس سے قصداً کوئی غلطی ہوسکتی ہے نہ سہواً۔ تبلیغ کے بارے میں جھوٹ، تحریف سے بالکل پاک، معصوم ومنزہ ہوتے ہیں۔ کسی طور پر کسی صورت سے کذب اور تحریف کا ان سے سرزد ہونا محال ہے۔ نزولِ وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکل محفوظ رہ سکے۔

۳) فتویٰ اور اجتہاد:

فتویٰ اور اجتہاد کے متعلق علمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انتظارِ وحی میں کبھی کبھی انبیائے کرامؑ امورِ غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں۔ کسی وقت کوئی اجتہادی خطاء ہوجاتی ہے تو فوراً وحی کے ذریعہ سے متنبہ کردیئے جاتے ہیں۔

۴) افعال وعادات:

یعنی افعال وعادات میں سوان کے متعلق اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاءؑ کبائر سے تو بالکلیہ پاک ہوتے ہیں البتہ صغائر یعنی خلافِ اولیٰ امور کبھی کبھی سہواً اور نسیاناً ان سے صادر ہوجاتے ہیں۔ ظاہراً وہ معصیت معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان سے کسی حکم کی تشریع مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً نبی ﷺ سے ظہر یا عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدۂ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا۔ اگر نبی اکرم ﷺ کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدۂ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا؟ اور علیٰ ہذا اگر لیلۃ التعریس میں آپ کی نماز نہ فوت ہوتی تو قضائے فوائت یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا؟ اس اعتبار سے یہ سہو اور نسیان عین رافت اور عین رحمت ہے اسی وجہ سے صدیقِ اکبرؓ فرماتے ہیں یا لیتنی کنت سھو محمد (کاش میں رسول اللہ ﷺ کا سہو ہوجاتا یعنی حضور ﷺ کا سہو میری یاد سے کہیں بہتر ہے)۔ اس طرح سے حضرت آدمؑ کا اس درخت کو کھالینا بھی اسی مقتضائے بشریت اور خاصۂ انسانیت یعنی سہو اور نسیان کا ثمرہ اور نتیجہ تھا مگر یہ معصیت ظاہراً اور صورۃً معصیت تھی حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بے پایاں رحمت تھی۔ مقصود یہ تھا کہ گناہ گاروں کو توبہ واستغفار کا طریقہ معلوم ہو۔ جب کبھی کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً اپنے باپ حضرت آدمؑ کی طرح بارگاہِ خداوندی میں رجوع کرے شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے۔ بالفرض اگر حضرت آدمؑ

سے یہ معصیت سرزد نہ ہوتی تو ہم گناہ گاروں کو توبہ واستغفار کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا؟ حضرت آدمؑ نے اس عالم میں توبہ واستغفار، تضرع اور ابتہال اور بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری کی مبارک سنت جاری فرمائی۔ تا قیامِ قیامت جس قدر بھی تائبین اور مستغفرین توبہ واستغفار کرتے رہیں گے حضرت آدمؑ کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا اس لئے کہ حضرت آدمؑ ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام ہیں۔

ولی اور رسول میں فرق:

ولایت تقویٰ اور طہارت کی ایک سند (ڈگری) ہے جو بندہ کی جد وجہد اور سعی اور اکتساب سے ملتی ہے اور نبوت ورسالت ایک عہدہ اور منصب ہے جو بدون حکم شاہی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ ولایت بمنزلہ ایک سند کے ہے کہ جو امتحان سے فراغت کے بعد مل جاتی ہے اور نبوت ورسالت بمنزلہ عہدہ کے ہے محض قابلیت سے خود بخود کوئی وزیر اور سفیر نہیں بن جاتا جب تک حکمِ شاہی نہ ہو۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

انبیائے کرامؑ ہر وقت بارگاہِ خداوندی کے مقیم رہتے ہیں کسی وقت بھی حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ انبیاءؑ معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہِ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں اس لئے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے۔ (ملخصاً معارف القرآن ادریسی۔ جلد اول)

شفاعت کی حدیث:

میدانِ حشر میں شفاعت کے لئے بنی آدمؑ یکے بعد دیگرے حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے نبی ﷺ کی خدمت میں جاتے رہیں گے۔ سب اپنی خطاء بیان کر کے معذرت کر دیں گے سوائے ہمارے نبی ﷺ کے جو شفاعتِ کبریٰ کریں گے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یُحْبَسُ الْمُؤْمِنُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَتّٰی یُهَمُّوْا بِذٰلِكَ فَیَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا اِلٰی رَبِّنَا فَیُرِیْحُنَا مِنْ مَّكَانِنَا فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ اٰدَمُ اَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَاَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ اَسْمَآءَ كُلِّ شَیْءٍ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰی یُرِیْحَنَا مِنْ مَّكَانِنَا هٰذَا فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَیَذْكُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ اَكْلَهٗ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِیَ عَنْهَا وَلٰكِنْ اِئْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَیَاْتُوْنَ نُوْحًا فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَیَذْكُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ سُؤَالَهٗ رَبَّهٗ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلٰكِنْ اِئْتُوْا اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاهِیْمَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَیَذْكُرُ ثَلٰثَ كَذِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنْ اِئْتُوْا مُوْسٰی عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرٰةَ وَكَلَّمَهٗ وَقَرَّبَهٗ نَجِیًّا قَالَ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی فَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَیَذْكُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنْ اِئْتُوْا عِیْسٰی عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ وَرُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهٗ قَالَ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنْ اِئْتُوْا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مومنین کو میدانِ حشر میں روک دیا جائے گا یہاں تک کہ سارے لوگ اس کی وجہ سے سخت فکر وتردد میں پڑ جائیں گے پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے کہ کاش! ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے ہماری شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا۔ وہ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ حضرت آدمؑ، تمام لوگوں کے باپ ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کو جنت کی سکونت عطا فرمائی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ براہِ کرم! آپ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نکال کر راحت واطمینان بخشے۔ حضرت آدمؑ کہیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں پھر حضرت آدمؑ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے درخت کھانے کی صورت میں کی تھی درآنحالیکہ ان کو اس درخت کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا، اور کہیں گے کہ تم لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا۔ وہ لوگ حضرت نوحؑ کے پاس آئیں گے، حضرت نوحؑ جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لینے کی درخواست کرنے کی صورت میں کی تھی۔ تم لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جو

اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں جاؤ، آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ لوگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس آئیں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ دنیا میں تین مرتبہ اپنے جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے، تم لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندہ ہیں جن کو خدا نے توریت عطا کی اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کو ان کا تابع بنایا اور جن کو خدا نے براہ راست اپنی ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور ان کو اپنا کمالِ قرب عطا فرما کر اپنا محرم اسرار بنایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے۔ حضرت موسیٰؑ ان کو جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو ایک قبطی کو قتل کرنے کی صورت میں سرزد ہوگئی تھی۔ پھر وہ مشورہ دیں گے کہ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ جو خدا کے بندہ اور رسول ہیں، وہ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے، حضرت عیسیٰؑ جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندہ ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔

خوش فہمی اور غلط فہمی!

انبیائے کرامؑ کی عصمت کا مسئلہ کسی قدر تفصیل سے آپ کے سامنے آچکا ہے۔ یہ انبیائے کرامؑ کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ گناہِ کبیرہ وصغیرہ سے اور ہر قسم

کی خطا اور غلطی سے پاک ہوتے ہیں۔ کسی اور شخص یا گروہ کی یہ خصوصیت نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت ۔۔۔۔ غلطی کر ہی نہیں سکتے! تعجب خیز ہے۔ خطا اور غلطی سوائے انبیائے کرامؑ کے کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ تعصب کی بنا پر ان کی خطا کو صواب ثابت کرنا اور اس کی وکالت کرنا بڑی حماقت ہے۔ کاش کہ تعصب اور حمیت سے پاک ہو کر ہم لوگ اس نقطۂ نظر سے ائمہ اور اکابر علماء کا جائزہ لیں تو بہت سارے اختلافات دور ہو سکتے ہیں اور آپس میں مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو انبیائے کرامؑ کے تعلق سے جو صحیح عقیدہ ہے اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۷) قیامت کے دن اِیمان کام آئے گا اَنساب کام نہیں آئیں گے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○ (الممتحنہ۔۳)

صدق اللّٰه العظيم وصدق رسوله الكريم ونحن علٰى ذٰلك من الشهدين والشكرين۔

ترجمہ: قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کچھ نفع دیں گی اور نہ تمہاری اولاد، اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور جو کچھ تم کررہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مشہور بدری صحابی ہیں۔ کفارِ قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش طریقہ سے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ چونکہ حاطب بن بلتعہ کا خاندان مکہ میں تھا اور انہوں نے یہ سوچ کر کہ اگر میں کفارِ قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کی اطلاع کروں تو وہ میرے خاندان کی حفاظت کریں گے۔ ایک خط مکہ سے آئی ہوئی

سارہ نامی باندی کے ہاتھوں بھیج دیا۔ وحی کے ذریعہ سے اللہ نے اپنے رسول کو اطلاع کردی اور وہ خط پکڑا گیا اور اللہ نے سورۂ ممتحنہ نازل فرمائی اور فرمایا کہ قیامت کے دن رشتے ناتے اور تمہاری اولاد کام نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ سارے رشتے ناتے ختم کردیں گے۔ اولاد ماں باپ اور ماں باپ اولاد سے بھاگتے پھریں گے۔ اس میں حضرت حاطبؓ کے عذر کی تردید ہے کہ جس اولاد کی محبت میں مبتلا ہوکر یہ کام کیا تھا سمجھ لو کہ قیامت کے دن وہ اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور اللہ تعالیٰ سے کوئی راز اور خفیہ چیز چھپنے والی نہیں۔ (معارف القرآن۔ جلد ہشتم)

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ٥ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ٥ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ٥ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ٥ (۳۴-۳۷)

ترجمہ: اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی رفیقۂ حیات بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ اہلِ قیامت میں سے ہر شخص اس دن ایک ایسے حال میں گرفتار ہوگا جو اس کو اور طرف سے بے پرواہ یعنی بے خبر کردے گا۔

یہ محشر میں سب کے جمع ہونے کے وقت کا بیان ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں اور نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا۔ دنیا میں جو رشتے ناتے ایسے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر اپنی جان تک قربان کردیتے ہیں اس عالم میں ہر شخص اپنی اپنی ایسی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا بلکہ سامنے دیکھے گا تو بھی گریز کرے گا۔

انسان اپنے بھائی سے، ماں باپ سے، بیوی اور اولاد سے منہ چھپاتا بھاگتا پھرے گا۔ دنیا میں تعاون وتناصر اور امدادِ باہمی بھائیوں میں ہوتی ہے اس سے زیادہ ماں باپ کی امداد واعانت کی فکر ہوتی ہے۔ طبعی طور پر ان سے بھی زیادہ بیوی اور اولاد سے تعلق ہو جاتا ہے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تعلق کی طرف ترتیب سے بیان فرمایا۔

(معارف القرآن۔ جلد ہشتم)

قیامت کے دن مجرم چاہے گا کہ سارے انسانوں کو اپنے فدیہ میں دے کر خود چھوٹ جائے:

وَلَا يُسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ○ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ اَخِيْهِ ○ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُئْوِيْهِ ○ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ○ (المعارج۔۱۴-۱۰)

ترجمہ: اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے، گناہ گار اس بات کی تمنا کررے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے والوں کو جن میں وہ رہتا سہتا تھا۔ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو اپنے فدیہ میں دے دے پھر یہ فدیہ دینا اس مجرم کو بچالے۔

وَلَا يُسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ○ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ، حمیم کے معنی گہرے اور مخلص دوست کے ہیں قیامت کی شدت کا بیان ہے کہ اس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ

پوچھے گا، مدد کرنا تو درکنار، آگے یہ بھی بتلا دیا کہ یہ نہ پوچھنا اس لئے نہیں کہ وہ دوست سامنے نہیں ہوگا بلکہ قدرتِ الٰہیہ ان سب کو ایک دوسرے کے سامنے بھی کردے گی مگر ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا کوئی کسی دوسرے کی تکلیف وراحت کی طرف التفات نہ کرسکے گا بلکہ یہ چاہے گا سب کو اپنے فدیہ میں دے کر خود چھوٹ جائے۔
(معارف القرآن۔جلد ہشتم)

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ○
(المومنون۔۱۰۱)

ترجمہ: پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا تو اس دن لوگوں کے مابین نہ رشتے ناتے کا کوئی اثر باقی رہے گا اور نہ آپ میں کوئی کسی کو پوچھے گا۔

قیامت کے روز ایک ایک بندے مرد وعورت کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا اور تمام اولین اور آخرین کے اس بھرے مجمع کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا ایک منادی یہ نداء کرے گا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے اگر کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ ہے تو سامنے آجائے اس سے اپنا حق وصول کرلے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ بیٹا اس پر خوش ہوگا کہ میرا حق باپ کے ذمہ نکل آیا، اور باپ کا کوئی حق بیٹے پر ہوا تو باپ خوش ہوگا کہ اس سے وصول کروں گا اسی طرح میاں بیوی اور بھائی بہن جس کا جس پر کوئی حق ہوگا یہ منادی سن کر اس سے وصول کرنے پر آمادہ اور خوش ہوگا۔ یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق یہ آیتِ مذکورہ میں آیا ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ ، یعنی

اس وقت باہمی نسبی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی، کوئی کسی پر رحم نہ کرے گا، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی یہی مضمون اس آیت کا ہے **یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیۡهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیۡهِ ۝**، یعنی وہ دن جس میں ہر انسان اپنے بھائی سے، ماں اور باپ سے، بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا۔ (معارف القرآن۔ جلد ہشتم)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انساب مستثنیٰ ہیں:

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کل نسب وصهر ينقطع يوم القيمة الا نسبي وصهري (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب رشتے ناتے اور سسرالی تعلقات ٹوٹ جائیں گے سوائے میرے رشتے اور سسرالی تعلقات کے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم سالت ربي عزوجل ان لا اتزوج الى احد من امتي ولا يتزوج الى احد منهم الا كان معي في الجنة فاعطاني ذلك (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بنِ عمروؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے میرے رب سے اس بات کی دعاء کی ہے کہ نہیں کیا جس سے میں نے نکاح اور نہیں کیا جس نے مجھ سے نکاح مگر یہ کہ وہ جنت میں میرے ساتھ رہے تو اللہ تعالیٰ نے میری دعاء کو قبول کرلیا۔

اس حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی دختر اُمِ کلثوم کے ساتھ جو عمر میں بہت چھوٹی تھیں چالیس ہزار مہر باندھ کر ان سے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے یہ نکاح صرف اللہ کے رسول ﷺ کے رشتے اور ناتے میں جڑنے کے لئے کیا ہے۔ (ابنِ کثیر)

اسی طرح ایک حدیث میں جس کو ابنِ عسا کر نے بسند صحیح حضرت ابنِ عمرؓ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نسبی اور زوجیت کے تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے بجز میری نسب اور میری زوجیت کے رشتے کے۔ علماء نے فرمایا کہ اس نسبِ نبوی میں ساری امت کے مسلمان بھی داخل ہیں کیونکہ آپ ﷺ امت کے باپ ہیں اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات امت کی مائیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ رشتہ اور دوستی کا کوئی تعلق کسی کے کام نہ آنا یہ حال محشر میں کافروں کا ہوگا مومنین ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے اور ان کے تعلقات ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ تو گناہ گار مومنین کی شفاعت کر کے انہیں جہنم سے نکلوائیں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی دعاء بھی صرف ایمان والوں کے کام آئے گی:

اللہ کے رسول ﷺ کی دعاء میں شامل ہونے کے لئے بھی ایمان شرط ہے ورنہ ابو طالب جو آپ کے خاص چچا ہیں جنہوں نے آپ کی مرتے دم تک پشت پناہی کی وہ جہنم میں نہ جاتے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبُ هُوَ مُتَنَعِّلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں سے سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا کہ وہ آگ کی وہ جوتیاں پہنے ہوں گے جن کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔

ایمان والوں کے رشتے کام آئیں گے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ (الطّور۔۲۱)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ان سابقہ اہلِ ایمان کے اعمال میں سے کوئی عمل کم نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے رہن رکھا ہوا ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی ذریت و اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

طبرانی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے بارے میں پوچھے گا (وہ کہاں ہیں؟)

اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں اس کے ساتھ رکھا جائے۔

ان روایات سے تو ثابت ہوا کہ آبائے صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور عمل میں ان کا درجہ کم ہونے کے باوجود اپنے آبائے صالحین کے درجہ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اولادِ صالحین کے والدین کو نفع پہنچے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ مسندِ احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں ان کے عمل کی مناسبت سے بہت زیادہ اونچا کر دیں گے تو وہ دریافت کرے گا کہ مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا، میرا عمل تو اس قابل نہ تھا؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد کی دعاء واستغفار کا یہ اثر ہے۔

وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ، ''اَلتٌ'' اور ''ایلات'' کے لفظی معنی کم کرنے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد کو ان کے درجۂ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے ان کے برابر کر دیا گیا۔ (معارف القرآن۔ جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح ایمان عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان کے ساتھ کرے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہم کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۸) میرا (اللہ کے رسول ﷺ کا) دین

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ o بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ o لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ o وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ o وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ o وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ o لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ o (الکافرون)

صدق اللّٰه العظیم وصدق رسوله الكريم ونحن علٰی ذٰلك من الشهدين والشكرين۔

ترجمہ: اے نبی کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! تم جن معبودوں کی پوجا کر رہے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا اور نہ تم اس کی پرستش کرتے ہو جس کی میں پرستش کر رہا ہوں اور آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کی پوجا کرنے والے ہو۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

۱) عَنۡ اِبۡنِ عَبَّاسٍ وَاَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ "اِذَا زُلۡزِلَتُ" تَعۡدِلُ نِصۡفَ الۡقُرۡاٰنِ وَ "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تَعۡدِلُ ثُلُثَ الۡقُرۡاٰنِ وَ "قُلۡ يَا اَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ" تَعۡدِلُ رُبُعَ الۡقُرۡاٰنِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یایھا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

۲) عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلِّمْنِىْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اَوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِىْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ (ترمذی،ابوداود،نسائی)

ترجمہ: حضرت فروہ بن نوفلؓ اپنے والد ماجد نوفلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز پڑھنے کو بتا دیجئے جس کو میں سوتے وقت بستر پر پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''قل یایھا الکافرون'' پڑھ لیا کرو اس میں شرک سے براءت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو بہترین سورتیں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص ہیں۔ مغرب کی سنتوں میں بکثرت آپ ﷺ یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ ﷺ نے پانی میں نمک ملایا اور قل یا ایھا الکافرون ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکتے جاتے تھے اور پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے تھے۔

سورت کا پس منظر:

کفار نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ

صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ سارے مکہ میں آپ سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے اور جس عورت سے آپ چاہیں نکاح کر دیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔ ایک دوسری روایت میں کفار نے یہ مصالحت پیش کی کہ آپ ہمارے بتوں کو صرف ہاتھ لگا دیں گے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اس پر جبرئیلؑ سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام پہنچے جہاں قریش کے سردار جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت ان کو سنائی جس سے وہ مصالحت سے پوری طرح مایوس ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ایذاء دینا شروع کر دیا۔

آیتوں کو مکرر لانے کی وجہ:

سورت شروع ہوتی ہے قُلْ یعنی کہہ دو سے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مشرکینِ مکہ کو یہ سنا دینے پر مامور تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کافروں کے لفظ سے خطاب کیا ہے جس سے انہیں چڑ تھی۔

۱) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ o وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ o (تم جن معبودوں کی پوجا کر رہے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا اور نہ تم اس کی پرستش کرتے ہو جس کی

میں پرستش کررہا ہوں) مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ زمانۂ حال کے لئے ہے اور وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ (اورآئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والانہیں ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کی پوجا کرنے والے ہو) یہ زمانۂ مستقبل کے لئے ہے۔

۲) ''مَا'' عربی میں ''اَلَّذِیْ، اسمِ موصول (جو یا جس)'' کے معنی میں آتا ہے۔ جن معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں عبادت نہیں کرتا اور جس معبود کی میں کرتا ہوں تم نہیں کرتے۔

۳) ''مَا'' مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝، یعنی ہمارے اور تمہارے عبادتوں کے طریقے (مشرکین اپنے معبودوں کے سامنے عبادت کے طور پر تالیاں بجانا، سیٹیاں مارنا کرتے تھے) ہی الگ ہیں اور میں تمہاری جیسی عبادت نہیں کرسکتا اور جب تک تم ایمان نہ لے آؤ میری جیسی عبادت نہیں کرسکتے۔ حاصل یہ ہے کہ نہ تمہارے اور ہمارے معبودوں میں اشتراک ہے اور نہ طریقۂ عبادت میں۔ اس طرح تکرار واقع ہوئی ہے۔

۴) بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حرف ''مَا'' دونوں جگہ موصولہ ہی ہے اور حال و مستقبل کا بھی فرق نہیں بلکہ دونوں جملے فی الواقع مکرر لائے گئے ہیں مگر ہر تکرار بری نہیں ہوتی بلکہ تقاضائے بلاغت ہوتی ہے۔ یہاں اس تکرار کا مقصد مضمون کی تاکید ہے

اور یہ بھی کہ کفار کی طرف سے ایسی مصالحت کی پیش کش متعدد کی گئی تھی اس لئے متعدد جملوں سے اس کا رد کیا گیا ہے۔ (تفسیرِ عثمانی، معارف القرآن)

خلاصہ یہ کہ مشرکین کے معبودوں سے، ان کے طور طریقوں سے اور زمانۂ حال اور مستقبل میں بھی ہر طرح سے بیزاری اور برأت ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مشرکین نے جو مصالحت پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں گے یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں گے اور آپ ﷺ اپنے مسلکِ توحید سے دست بردار ہو جائیں۔ اس مصالحت کو ہر طرح سے ختم کرنے کے لئے یہ سورت نازل کی گئی اور آخر میں فرمایا گیا کہ میرے لئے میرا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا دین۔

''میرا دین'' کے متعلق سورۂ یونس کی آخری آیات:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَّلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

یَضِلُّ عَلَیۡهَا وَمَا اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ o وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ o (یونس۔۱۰۹-۱۰۴)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے کچھ شبہ میں ہو تو میرا دین یہ ہے کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے اور مجھ کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور نیز یہ حکم ہوا ہے کہ سب طریقوں سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اس دین یعنی اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھو اور تم مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ اور نیز یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتی ہو اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہو پھر اگر آپ نے بالفرض ایسا کیا تو اس وقت آپ بھی بے انصافوں میں سے شمار ہوں گے۔ اور اگر اللہ تجھ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس ضرر کو سوائے اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کسی نفع سے بہرہ مند کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹانے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ بڑی مغفرت کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بلا شبہ تمہارے رب کی جانب سے تم کو حق بات پہنچ چکی ہے سو اب جو شخص صحیح راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کو اختیار کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے ہی برے کو اور میں تم پر مختارِ کار مقرر نہیں ہوا ہوں۔ اور اے پیغمبر آپ کی طرف جو حکم بھیجا جائے آپ اس کا اتباع کیجئے اور صبر کرتے رہئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہی سب

فیصلہ کرنے والوں میں بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

انبیائے کرامؑ کی شرک سے بیزاری:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَo (الزمر۔۶۵)

ترجمہ: اور بلاشبہ اے پیغمبر آپ کی طرف اور ان سب پیغمبروں کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یہ وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال نیست ونابود ہوجائیں گے اور تم یقیناً خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

ہماری نماز کا آغاز:

جب ہم مصلی پر کھڑے ہوتے ہیں تو ہماری نماز کا آغاز ہی ابراہیمؑ کے اس اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَo (الانعام۔۷۹)

ترجمہ: میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

افسوس ناک صورتِ حال:

اللہ کے رسول ﷺ کا لایا ہوا دین شرک کی تمام اقسام سے بلکہ شرک کے

ہر شبہ اور شائبہ سے بھی پاک ہے۔ مگر مسلمان کہلانے والی یہ امت مختلف قسم کے شرک میں پھنسی ہوئی ہے۔ خالص توحید کا عقیدہ رکھنے والے تو اس امت میں گنے چنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرک کی تمام اقسام سے بچا کر خالص توحید کے عقیدہ پر قائم رکھے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۹) ہر عبادت اپنا ایک مخصوص رنگ اور مزاج رکھتی ہے

(۱) نماز:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o (المومنون ۔۲،۱)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشھدین والشکرین۔

ترجمہ: یقیناً فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع (عاجزی) کرنے والے ہیں۔

۲) حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ o (البقرہ۔۲۳۸)

ترجمہ: سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص کر درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے روبرو باادب کھڑے ہوا کرو۔

۳) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ o (البقرہ۔۴۵)

ترجمہ: اور مدد طلب کرو صبر کے ذریعہ اور نماز کے ذریعہ سے بے شک وہ نماز ضرور گراں ہے مگر خاشعین پر (گراں نہیں)۔

ایمان والوں پر چار عبادات (نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) فرض کی گئی ہیں۔ ہر عبادت اپنا ایک مخصوص مزاج اور رنگ رکھتی ہے۔ جو اس مزاج سے واقف ہو کر ان کو انجام دے گا وہی صحیح معنوں میں ان کا حق ادا کرنے والا ہوگا ورنہ بغیر سمجھے ادا کرے تو رسمی طور پر خانہ پری تو ہو جائے گی مگر اس کو عبادت کا کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اوپر سورۂ مومنون اور سورۂ بقرہ کی جو آیتیں آپ کو سنائی گئی ہیں ان میں نماز کا جو مزاج اور رنگ ہے وہ خشوع وخضوع، عجز و نیاز، ادب و انکسار صاف واضح ہے۔

''خشوع'' کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابنِ عباسؓ نے ''خاشعون'' کی تفسیر ''خائفون ساکنون'' سے کی ہے۔ اور آیت وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ (حم سجدہ۔۳۹) (ترجمہ: اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے ایک نشانی یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ دبی اور مری پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہوتی اور ابھرنے لگتی ہے) بھی دلالت کرتی ہے کہ خشوع میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآنِ کریم میں خشوع کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (الحدید۔۱۶) (ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی

نصیحت اور اس دینِ حق کے سامنے جو نازل ہوا ہے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر ایک طویل مدت گزر گئی پس ان کے دل سخت ہو گئے اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر دین سے خارج ہیں) مذکورہ آیت میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع وخائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے۔ ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے پھر خوف و ہیبت اور سکون وخضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر ادھر نہ تاکنا، کپڑے یا ڈاڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا اور اسی قسم کے بہت افعال واحوال لوازمِ خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں ہاں قبولِ صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسنِ قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی انہی مومنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

مجھے نماز کے احکام، اس کے فضائل، اس کے اسرار ورموز بیان کرنا نہیں ہے صرف اس کا جو مخصوص مزاج ورنگ ہے بیان کرنا ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ نماز بارگاہِ الٰہی کی حاضری ہے۔ اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا اور ساری کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے بندہ اس کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے اس کی تیاری طہارتِ بدن، طہارتِ لباس اور طہارتِ مقام کا اہتمام کر کے قبلۂ رخ کھڑا ہوکر (اللہ اکبر کہہ کر) اللہ کی کبریائی کا اظہار واقرار کرتا ہے۔ پھر ہاتھ باندھ کر اس کی حمد وثناء اور اس سے عرض ومعروض کرتا ہے۔ پھر جھک (رکوع) جاتا ہے اور اس کی عظمت کا اقرار کرتا ہے۔ سر اٹھاتا ہے اور پھر اپنا سر اس کے قدموں پر (سجدہ) رکھ دیتا ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اپنے ربِ اعلیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ سر اٹھا کر دوزانو بیٹھ جاتا ہے ایک سجدہ سے اس کے جذبۂ عبودیت کی تسکین نہ ہونے پر ایک اور سجدہ کرتا ہے۔ اس طرح پوری نماز ادا کرتا ہے۔ نماز کے اختتام پر دوزانو بیٹھ کر اللہ کی بندگی کا اعتراف کرتا ہے کہ تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ بھیجتا ہے پھر اللہ سے اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے اور تمام فتنوں سے پناہ چاہتا ہے۔ پھر دائیں اور بائیں سلام پھیر کر اپنی نماز کو ختم کرتا ہے۔ نماز کو ختم کر کے اس کو احساس ہوتا ہے کہ ابھی مجھے اللہ سے بہت کچھ عرض ونیاز کرنا ہے۔ پھر دعاء کے لئے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے اور اپنی حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے آگے رکھتا ہے۔ اور اپنے دونوں

ہاتھ چہرہ پر پھیر لیتا ہے گویا کہ اللہ نے اس کی مراد پوری کردی۔ یہ ہے نماز کا اصل رنگ و مزاج۔

افسوس کے ساتھ بیان کرنا پڑ رہا ہے کہ آزاد فرقے اس حقیقت سے محروم ہیں۔ یہ لوگ اپنے پاؤں کو حد درجہ پسار کر اور سینہ تان کر کھلے سر اس طرح کھڑے ہوتے ہیں گویا کسی سے کشتی لڑنے کھڑے ہوں۔ پوری نماز میں ان کے ہاتھ ڈاڑھی اور کپڑوں سے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ ان کا موبائیل بار بار بجتا رہتا ہے اور سارے لوگوں کی نماز میں خلل پیدا کرتا رہتا ہے، یہ اس کو اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بار بار دیکھتے ہیں اور بند کرتے رہتے ہیں! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ب) زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت، برکت اور بڑھنے کے ہیں۔ شریعت میں صاحبِ نصاب شخص پر سال میں ایک مرتبہ مقررہ مال نکال کر کسی مستحق شخص کو مالک بنا دینے کے ہیں۔ قرآن میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بیاسی (۸۲) مرتبہ آیا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ یہ کوئی ٹیکس اور تاوان نہیں۔ اس عبادت کا مزاج لفظ زکوٰۃ ہی سے ظاہر ہے کہ پاکیزگی عطا کرنا ہے۔ انسان کے دل میں مال کی محبت بہت شدید ہے اس کی وجہ سے اس کے اندر بخل اور شحِ نفس جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا دل شحِ نفس اور بخل جیسے

امراض سے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی محبت کے لئے اس میں جگہ پیدا ہوتی ہے۔

۱) اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌO (القارعہ۔۸)

ترجمہ: اور بے شک انسان مال کی محبت میں بڑا سخت اور مضبوط ہے۔

۲) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِO (آل عمران۔۱۴)

ترجمہ: لوگوں کے لئے اشیائے مرغوبہ کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان دار گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی بھلی اور خوش نما کر دی گئی ہے مگر یہ سب چیزیں دنیوی زندگی میں برتنے کا سامان ہیں اور بہترین مرجع یعنی ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

۳) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO (التوبہ۔۱۰۳)

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے تا کہ آپ اس صدقہ کی وجہ سے ان کو خوب پاک اور صاف کر دیں اور ان کو خیر و برکت کی دعاء کیجئے۔ بلا شبہ آپ کی دعاء ان کے لئے موجبِ راحت و تسکین ہے اور اللہ سب سنتا جانتا ہے۔

۴) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ

يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (التغابن۔۱۶)

ترجمہ: پس جس قدر تم ڈر سکتے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور فرمانبرداری کرو اور خیرات کرتے رہو خیرات کرتے رہنا تمہارے لئے بہتر ہے اور جو کوئی اپنے نفسانی بخل و حرص سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔

اس سلسلہ کی چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ الْاٰيَةَ

(ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی گردن میں ایک سانپ لٹکائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ۔۔۔۔ (آل عمران۔۱۸۰) یعنی اور جو لوگ اس چیز میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے بخل کیا کرتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ کام ان کے حق میں کچھ اچھا ہے بلکہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہت برا ہے جس مال پر یہ بخیل لوگ بخل کر رہے ہیں عنقریب قیامت کے روز اسی مال کے طوق بنا کر ان لوگوں کو پہنایا جائے گا اور کل آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور

جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے باخبر ہے۔

۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَاءَ ھُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَھُمْ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم اندھیروں کی شکل میں ہوگا (جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا) اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو تم سے پہلے گزرے ہیں، بخل ہی کے باعث انہوں نے خون ریزی کی اور حرام کو حلال جانا۔

۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا (ابنِ کثیر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بخل اور ایمان کسی بندہ کے دل میں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ

سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہے۔ عابد بخیل سے جاہل سخی اللہ کو بہت پیارا ہے۔

مجھے زکوٰۃ کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے صرف اس کے مزاج اور رنگ کو ظاہر کرنا ہے۔ بیان کردہ آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے انسان کے دل سے مال کی محبت اور اس سے پیدا ہونے والے امراض شح، بخل، ظلم سے پاک کر کے سخا، ہمدردی، ایثار پیدا کرنا ہے اور جب مال کی محبت نکل جائے گی تو اللہ کی محبت کے لئے جگہ پیدا ہو جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

(ج) روزہ:

۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (البقرہ۔۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی روزے کا رکھنا فرض کیا گیا ہے اس امید پر کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

صوم مصدر ہے جس کے معنی لغت میں مطلق رکنے اور امساک کے ہیں خواہ کھانے پینے سے رکنا ہو یا کلام سے ہو۔ قرآنِ مجید میں ہے۔

۲) فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا○ (مریم۔۲۶)

ترجمہ: تو کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ کی منت مان رکھی ہے لہٰذا میں

آج کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔

صومِ شرعی کی تعریف:

طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے، جماع اور منافیٔ صوم اشیاء سے نیت کے ساتھ رکنے کا نام صوم ہے۔

انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے:

۳) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل۔۸۵)

ترجمہ: اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔

۴) وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر۔۲۹)

ترجمہ: اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی۔

۵) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (حجر۔۲۶)

ترجمہ: اور بالیقین ہم نے انسان کو لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

روح انسان کو اپنے اصل منبع اور سرچشمہ کی طرف کھینچتی ہے اور انسان کا جسم جو مٹی سے بنا ہے انسان کو مادی ضرورتوں اور نفسانی خواہشات کی طرف کھینچتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ سے انسان کو مادیت سے آزاد کر کے اس کی روحانیت کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ اسے عبادت، ولایت اور خلافت کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ انسان پر روح کا غلبہ اور تسلط قائم کرنے کے لئے اور اس کی مادیت کو مغلوب کرنے کے لئے

کچھ وقت کے لئے جسم کے تقاضوں کو روک دیا جاتا ہے تاکہ وہ سب سے کٹ کر اللہ سے جڑ جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجَلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثُ وَلَا يَصْخَبُ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے ہی لئے چھوڑتا ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت۔ یاد رکھو! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہے۔ اور روزہ سپر (ڈھال) ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بیہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی اسے برا

کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ تمام عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے لیکن اس حدیث میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے کیونکہ بندہ میری خاطر اپنی خواہشات کو روکتا ہے اور اس کی جزاء میں ہی دوں گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے روزہ رکھ کر باطل کام اور باطل کلام نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ رکھے۔

روزہ میں تمام جائز چیزوں (کھانا، پینا اور منکوحہ عورت سے ملنا) پر ہی روک لگائی جاتی ہے۔ کوئی شخص روزہ رکھ کر جو چیزیں ہمیشہ کے لئے ممنوع ہیں ان کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ کو بھی پروا نہیں کہ کیوں بھوکا پیاسا مرتا ہے۔ اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ روزہ کی تین قسمیں ہیں:

۱) ایک عوام کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ صرف کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کرتے ہیں۔

۲) دوسرا خواص کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ اپنے اعضاء اور اپنے احساسات

وجذبات اور لذات اور مکروہات سے بچاتے ہیں۔

۳) تیسرا اخص الخواص کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ اپنے آپ کو غیر اللہ کی طرف التفات سے بچاتے ہیں۔ (توضیحات۔جلد سوم)

روزہ کا اصل رنگ اور مزاج ہی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو تمام مادی اور نفسانی خواہشات سے بچا کر اللہ سے تعلق جوڑے۔ اللہ سے جڑنے کا دوسرا ذریعہ اس کا کلام ہے جو اسی مہینہ میں نازل ہوا۔ فرمایا گیا:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ (البقرہ۔۱۸۵)

ترجمہ: ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے قرآن کا وصف یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے راہ نما ہے اور ہدایت کے صاف وواضح اور حق ہے باطل کو جدا کرنے والے دلائل کا مجموعہ ہے۔

کائنات کی ساری چیزیں اللہ کی مخلوقات ہیں سوائے قرآنِ مجید کے کہ وہ اللہ کا کلام اور اس کی صفتِ قائمہ اور دائمہ ہے۔ رمضان المبارک میں دن میں روزے فرض کئے گئے ہیں اور رات میں تراویح کی نماز سنت قرار دی گئی ہے تا کہ ایمان والے بندے تراویح میں قرآن پڑھیں اور سنیں جس سے اللہ سے تعلق پیدا ہو۔

(د) حج:

۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ O (آل عمران۔۹۷)

ترجمہ: اورلوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہےاور جوکوئی انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے سب جہاں والوں سے۔

حج کی تعریف:

حج میں ''ح'' پر زبر بھی ہےاور زیر بھی ہے۔ زبر ہونے کی صورت میں یہ مصدر رہے جو قصد کے معنی میں ہےاور زیر کی صورت میں یہ اسم ہے جو حج کا نام ہے۔ حج کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مخصوص زمانہ میں، مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام حج ہے۔

عبادات کی دو قسمیں ہیں بدنی اور مالی۔ نماز اور روزہ بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ حج ایک جامع عبادت ہے، جو بدنی بھی ہے، مالی بھی ہے، اور ایک طریقہ کی ہجرت بھی ہےاور ایک طرح کا جہاد بھی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل اور جامع عبادت حج ہے۔ حج تمام عبادتوں میں اپنا جو مزاج اور رنگ رکھتا ہے وہ عاشقانہ ہے۔ اسی پہلو کی طرف اشارات کرنا مقصود ہے۔

انسان صرف جسم و عقل ہی نہیں بلکہ دل اور وجدان بھی رکھتا ہے۔ اس دل اور وجدان کا تقاضہ ہے کہ وہ کسی سے محبت کرے اور اس کے لئے اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھتے

ہیں کہ کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے۔

عاشقِ مجازی پر جب عشق ومحبت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کپڑوں سے بے نیاز ہو کر معشوق کی گلی میں مارے مارے پھرتا ہے، کبھی بے خودی طاری ہو جاتی ہے تو اپنے معشوق کا نام لے کر چیختا اور چلاتا ہے۔ کوئی اس کو روکتا ہے تو اس کو پتھر سے مارتا ہے۔ کسی شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دیوانہ ہے تو لوگ فوراً پوچھتے ہیں کہ کیا وہ پتھر مار رہا ہے؟ پتھر مارنے کو دیوانگی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

عشق ومحبت سے عاری شخص کا حج:

ایک شخص نے جو عشق ومحبت سے بے بہرہ تھا حج کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حج میں کیا کرنا ہوتا ہے تو اس نے عجیب انداز میں مقامی زبان (کنڑی) میں کہا کہ حج کیا ہے ایک جگہ دوڑنا ہے اور دوسری جگہ پتھر مارنا ہے۔ یہ ایک مثال ہے بے شمار لوگ افعالِ حج کو ایسے ہی سمجھے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے حج کے مزاج اور رنگ کو نہیں سمجھا۔

عشق ومحبت کی کیفیت کے بغیر حج صحیح معنوں میں ادا نہیں ہوتا:

جو لوگ لباس، کھانے پینے کے لئے بہت اہتمام، تکلف اور تصنع کرتے ہیں (Sophisticated) کہلاتے ہیں وہ حج کا کیا لطف حاصل کر سکتے ہیں؟

حج کرنے والوں کے لئے پہلے تو ان کے کپڑے اتار کر انہیں عاشقانہ لباس ''احرام'' پہنایا جاتا ہے۔ احرام کے لئے انہیں زور سے تلبیہ کہنا پڑتا ہے اور حج کے تمام ارکان ادا ہونے تک تلبیہ کہتے رہنا ہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

ترجمہ: اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور ساری نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت و بادشاہت بھی تیرا ہی حق ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

حاجی بیت اللہ پہنچ کر دیوانہ وار خانۂ کعبہ کے سات چکر لگاتا ہے پھر صفا مروہ کی پہاڑی پر سات بار دوڑتا ہے کیونکہ اللہ کی ایک مقبول بندی اضطراری طور پر دوڑی تھی تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ادا اتنی پسند آ گئی کہ وہ چاہتا ہے کہ تمام حج کرنے والے بندے یہ دوڑ لگائیں۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کا دیدار میدانِ عرفات میں ہوگا تو وہاں دن بھر قیام کر کے عجز وانکساری، ابتہال وتذلل اختیار کرتا ہے۔ شام تک دستِ نیاز دراز کئے ہوئے راز و نیاز میں گزارتا ہے پھر اس کو رات گزارنے کے لئے مزدلفہ جانے کا حکم ہوتا ہے تو وہاں جا کر قیام کرتا ہے۔ پھر یہاں سے بھی نکل کر سہ روزہ منیٰ میں قیام کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہاں پڑا رہتا ہے۔ ان تین دنوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کرتا ہے، جانور کی قربانی کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور تین

شیطانوں پر کنکریاں مارتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَالَ اٰخَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْحَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا السَّبِیْلُ قَالَ زَادٌ وَرَاحِلَۃٌ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حقیقی حاجی کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر غبار آلودہ، پراگندا اور بالوں سے پسینہ کی بو آتی ہو تو ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور پوچھا کہ کونسا حج سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلند آواز سے لبیک کہنا اور قربانی کا خون بہانا۔ ایک اور شخص نے پوچھا کہ سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زادِ راہ اور سواری۔

ناچیز کے پیشِ نظر حج کے تمام احکام بیان کرنا نہیں ہے صرف اس کا جو مخصوص مزاج اور رنگ ہے اس کی وضاحت کرنا ہے۔ الحمدللہ کہ بات واضح ہو کر آگئی کہ حج ایک عاشقانہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عبادت کے اس مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۲۰) امت کے لئے لائحۂ عمل

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًاo (النساء۔۱۳۶)

صدق اللّٰه العظيم وصدق رسوله الكريم ونحن علٰى ذٰلك من الشهدين والشكرين۔

ترجمہ: اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کر چکا ہے اور جو بھی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتاب کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ بہک کر بہت دور گمراہی میں جا پڑا۔

مسلمانانِ ہند جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کے لئے قرآن جو لائحۂ عمل پیش کرتا ہے اس میں سے اہم اور جامع ایک دو آیتیں آپ کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔ تلاوت کی ہوئی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں سے ہی اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اللہ پر، اس کے رسول پر، اس کی کتابوں پر ایمان لے آئیں۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ اپنے ایمان کا جائزہ لے اور جن باتوں کی تصدیق کرنے کا حکم ہے اس کو حق مانے اور ایمان کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرے۔ سچا اور پکا مسلمان بننے کی کوشش کرے اور مرتے دم تک ایمان پر قائم رہے۔ ایمان والوں سے اللہ کا وعدہ ہے:

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۝ (آل عمران۔۱۳۹)

ترجمہ: اور تم کم ہمت نہ بنو اور غمگین نہ ہو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم (کامل) ایمان والے ہو۔

وعدۂ غلبہ ہے مومن کے لئے قرآن میں
جو تو غالب نہیں کسر ہے تیرے ایمان میں

۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۝ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ۝ (آل عمران۔۱۰۳،۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے

پکڑے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اللہ کے اس احسان کو جو تمہارے اوپر اس نے کیا ہے یاد رکھو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کردی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اس گڑھے سے بچالیا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دلائل صاف وواضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ راہ پر قائم رہو۔

ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا پورا ڈر ہونا چاہیئے کہ اپنے مقدور بھر پرہیز گاری اور تقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے اور تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہیئے۔ سب مل کر اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مضبوطی سے پکڑو۔ یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں چھوٹ نہیں سکتی۔ اگر سب مل کر پوری قوت سے اسے پکڑے رہو گے تو کوئی شیطان اپنی شرانگیزی میں کامیاب نہ ہوسکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور نا قابلِ اختلال ہوجائے گی۔ قرآن سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیاتِ تازہ حاصل کرتی ہے۔ (تفسیرِ عثمانی)

فریضۂ منصب سے غفلت:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ۔۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول ﷺ گواہ ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کا خاص اعتدال اور فریضۂ شہادتِ حق:

لفظ ''وسط'' بفتح السین بمعنی اوسط ہے۔ اور خیر الامور اور افضل اشیاء کو وسط کہا جاتا ہے۔ ترمذی میں بروایت حضرت ابو سعید خدریؓ آنحضرت ﷺ سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے جو بہترین کے معنی میں آیا ہے۔ اس آیت میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک امتیازی فضیلت وخصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی۔ اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے مسلمانوں کو وہ قبلہ عطا کیا۔ جو سب سے اشرف وافضل ہے۔ اسی طرح ہم نے امتِ اسلامیہ کو ایک خاص امتیازی فضیلت یہ عطا کی ہے کہ اس کو ایک معتدل امت بنایا ہے جس کے نتیجہ میں ان کو میدانِ حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاءؑ کی امتیں جب اپنے انبیاءؑ کی ہدایت وتبلیغ سے مُکر جائیں گی اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی۔ نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی۔ اس وقت امتِ محمدیہ ﷺ انبیاءؑ کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاءؑ نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھر پوری کوشش کی۔ مدعیٰ علیہم امتیں امتِ محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس امتِ محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا۔ اس کو

ہمارے معاملات کی کیا خبر اس کی گواہی ہمارے مقابلہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ امتِ محمدیہ اس جرح کا یہ جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ایک صادق مصدوق رسول ﷺ نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو اپنے معائنہ سے زیادہ وقیع اور سچا جانتے ہیں۔ اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں۔ اس وقت رسولِ کریم ﷺ پیش ہوں گے اور ان گواہوں کا تزکیہ وتوثیق کریں گے کہ بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو یہ صحیح حالات معلوم ہوئے۔ (معارف القرآن۔ جلد اول)

اللہ کے رسول ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے رسول ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف۔۱۵۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

آپ ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں صحابہ کرامؓ کے مجمع سے فرمایا کہ میں نے یہ پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، پھر فرمایا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ یعنی جو موجود ہیں ان تک پیغام کو پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں۔ اب اس امت کی ذمہ داری یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں تک دینِ حق کو پہنچائیں ورنہ کل میدانِ حشر میں اللہ کے پاس اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے۔

خیرِ امت:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران۔۱۱۰)

ترجمہ: اے امتِ محمدیہ تم بہترین امت ہو جو انسانوں (کی رہنمائی) کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض ایمان والے ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔

اس آیت میں امتِ محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ خلق اللہ کو نفع پہنچانے ہی کے لئے وجود میں آئی ہے اور اس کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ خلق اللہ کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی فکر اس کا منصبی فریضہ ہے اور پچھلی سب امتوں سے زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل ۔۔۔۔ اس امت کے ذریعہ ہوئی۔ اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پچھلی امتوں پر عائد تھا جس کی تفصیل احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے مگر اول تو پچھلی بہت سی امتوں میں جہاد کا حکم نہیں تھا اس لئے ان کا امر بالمعروف صرف دل اور زبان سے ہو سکتا تھا۔ امتِ محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر بالمعروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں اور بزورِ حکومت اسلامی قوانین کی تنفیذ بھی اس کا جزء ہے۔

اس کے علاوہ امم سابقہ میں جس طرح دین کے دوسرے شعائر۔۔۔۔غفلتِ عام ہو کر محو ہو گئے تھے اسی طرح فریضۂ امر بالمعروف بھی بالکل متروک ہو گیا تھا اور اس امتِ محمدیہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی ہے کہ اس امت میں تا قیامت ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہے گی۔

دوسری امتیازی صفت اس امت کی تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ بیان فرمائی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان باللہ تو تمام انبیائے سابقین اور ان کی امتوں کا مشترک وصف ہے۔ پھر اس کو وجہِ امتیازی کس بناء پر قرار دیا؟ جواب واضح ہے کہ اصل ایمان تو سب میں مشترک ہے مگر کمالِ ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں امتِ محمدیہ کو جو درجہ حاصل ہے وہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔

(معارف القرآن۔ جلد دوم)

امتِ مسلمہ امتِ وسط اور خیر الامم ہونے کی وجہ سے اس کا فریضہ دینِ حق کی دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین ہے۔ جب سے اس فریضہ سے امت نے غفلت کی ہے اس کا زوال شروع ہو گیا۔ آج بھی امت اس فریضہ کو انجام دے تو بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شجرۂ منظومہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کے واسطے
اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے

اور سب اصحاب و آلِ مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے

سید محمود قادری طبیب وریٰ کے واسطے
شاہ قمر الزماں ضیاء الھدیٰ کے واسطے

شاہ وصی اللہ باقی فالفنا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الھدیٰ کے واسطے

حاجی امداد اللہ ذُولعطا کے واسطے
حضرت نور محمد پُرضیا کے واسطے

حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے
شیخ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے

شاہ عبدالہادی پیر ہدیٰ کے واسطے
شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے

شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محبُ اللہ شیخ باصفا کے واسطے

بوسعید اسعد شہ اہل ورا کے واسطے
شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے
عبدقدوس شہ صدق وصفا کے واسطے

اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے
شیخ محمد عارف صاحب عطا کے واسطے

احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیا کے واسطے

شیخ شمس الدین ترک باضیا کے واسطے
شیخ علاء الدین صابر بارضا کے واسطے

شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کے واسطے

شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے
خواجہ عثمان باشرم وحیا کے واسطے

شہ شریف زندنی بااتقا کے واسطے
خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے

شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کے واسطے
بومحمد محترم شاہ ولا کے واسطے

احمد ابدال چشتی باسخا کے واسطے
شیخ ابواسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے

خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کے واسطے
بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے
شیخ ابراہیم ادھم بادشاہ کے واسطے

شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کے واسطے
خواجہ عبدالواحد ابن زید شاہ کے واسطے

شیخ حسن بصری امام اولیا کے واسطے
ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے

سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
یا الٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے

یاحق اپنے عاشقان باوفا کے واسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کے واسطے

کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بینوا کے واسطے

ہے عبادتوں کا سہارا عابدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے

بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کے واسطے

☆☆☆☆☆تمت بالخیر☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سید محمود قادری کی تالیفات

۱) توفیقِ ایزدی:

خودنوشت سوانح حیات جس میں انہوں نے پہلے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ کن علماء سے دینی تعلیم حاصل کی پھر حق کی یافت اور مردانِ حق کی شناخت کے بعد یہاں کے گمراہ عقائد کا کس طرح رد کیا ہے، بڑی دلچسپ اور قابلِ مطالعہ داستاں ہے۔

۲) چالیس اصلاحی مقالات:

گذشتہ دس سالوں کے دوران اہم مضامین پر جو پمفلٹ آپ نے لکھے یہ ان کا مجموعہ ہے۔ اختصار اور جامعیت کے ساتھ موضوع کے متعلق معلومات کو اس طرح ترتیب دیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ دین کی حقیقت سے واقف ہونے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳) مجالس معرفت (جلد اوّل و دوُم و سوُم و چہارم):

''**خانقاہِ قادریہ**'' میں گذشتہ پندرہ سالوں سے ہر سنیچر بعد نمازِ عشاء جو مجالس ہوتی ہیں ان کے بیانات کا مجموعہ ہے۔ دین اور سلوک کے متعلق چشم کشا معلومات سے لبریز ہیں۔

۴) ایمان اور کفر:

بمقام خانقاہِ قادریہ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ میں روزانہ بعد نمازِ عصر جو دروسِ قرآن ہوئے ان کا موضوع ایمان اور کفر تھا، یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے ایمان کی حقیقت جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۵) الاربعینات:

گذشتہ چالیس سال سے آپ کا درسِ حدیث روزانہ بعد نمازِ مغرب جامعہ مسجد میں ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اخلاصِ نیت کی چالیس احادیث، داخلۂ جنت کی چالیس احادیث اور داخلۂ جہنم کی چالیس احادیث جمع کی ہیں۔

۶) خطباتِ قادریہ (جلد اوّل و دوُم و سوُم):

گذشتہ پینتالیس سال سے آپ کے جمعہ کے خطبات مختلف مساجد میں ہو رہے ہیں۔ خطبۂ جمعہ سے پہلے آپ کے جو بیانات ہوتے ہیں، نہایت جامع، موثر اور چشم کشا ہوتے ہیں۔ ہر جلد چالیس بیانات کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ ائمۂ مساجد کے لئے جمعہ کے خطبے سے پہلے بیان کرنے کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔

۷) ہدایت اور گمراہی:

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ میں بعد عصر روزانہ جو مجالس ''خانقاہِ قادریہ'' میں ہوئیں ان کا موضوع ہدایت اور گمراہی تھا، اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتے ہیں اور کس کو گمراہ کرتے ہیں۔

۸) مکتوباتِ اکابر:

ڈاکٹر صاحب کی زمانۂ طالبِ علمی سے اب تک اکابر علماء سے مختلف مسائل میں جو مراسلت رہی ہزاروں خطوط پر مشتمل ہے، ان میں سے وہ خطوط جو سب کے لئے نفع مند ہو سکتے ہیں شائع کئے جا رہے ہیں۔

۹) قرآنِ کریم میں جہاد وقتال کی آیات:

شرح مشکوٰۃ ''توضیحات'' (مولفہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم) میں ہے کہ قرآنِ کریم میں کسی عمل کے تعلق سے سب سے زیادہ آیات ہیں تو جہاد وقتال کے تعلق سے ہیں۔ ناچیز نے تمام قرآنی آیات کو جمع کر کے مستند ترجمہ اور متفق علیہ تفسیر لکھ دی ہے۔

۱۰) ملفوظاتِ رمضان ۱۴۴۱ھ:

رمضان المبارک میں نمازِ عصر کے بعد خانقاہِ قادریہ میں جو مجالس ہوئیں ان کا موضوع قرآنِ حکیم تھا۔ چالیس ابواب میں فہمِ قرآن کے تعلق سے اہم اصول بیان کئے گئے ہیں۔

مولف کتاب ڈاکٹر سید محمود قادری کا مختصر تعارف

وظیفہ یاب گورنمنٹ میڈکل آفسر وطن: ضلع بیجاپور، ریاست کرناٹک

سلسلۂ نسب ۲۲ پشتوں پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا کر ملتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں عربی زبان سیکھ کر قرآن وحدیث کا ترجمہ کرنے کے قابل ہو گئے تھے اور اسی زمانے میں دارالقرأت والدّ ینیات الکلیمیہ حیدرآباد سے تجوید کی سند حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے اکابر علماء سے خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تعلق رہا۔

طب کی (یم۔بی۔ایس) کی تکمیل کے بعد حفظ قرآن بھی کیا۔ شہر بیجاپور میں گذشتہ ۴۰ سال سے آپ کے خطبات اور قرآن وحدیث کے دروس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ حق کی یافت اور مردان حق کی شناخت کے بعد احقاق حق اور ابطال باطل کا بے مثال فریضہ انجام دیا اور تاحال انجام دے رہے ہیں۔

۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے خلافت واجازت سے سرفراز ہونے کے بعد ''خانقاہِ قادریہ'' قائم کی، جہاں پابندی سے مجالس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ روزانہ ۱۰، ۱۲ گھنٹے دینی کتب کا مطالعہ ہے اور ۱۹۸۹ء سے (جب آپ کا تبادلہ گلبرگہ سے بیجاپور ہوا) ہر تین روز میں ایک ختم قرآن آپ کا معمول ہے۔ روزانہ چار مساجد میں آپ کے درس قرآن اور درس حدیث بھی پابندی سے ہو رہے ہیں۔ یہاں کے ہر خاص وعام کے لئے آپ کا وجود مسعود حجة اللّٰہ فی الارض (زمین پر اللہ کی حجت) ہے۔

ایں سعادت بزور بازو ے نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ماخوذ: از توفیقِ ایزدی)

جاری کردہ:

خانقاہِ قادریہ، گوڈیہال کالونی جامع مسجد وجے پور (کرناٹک)